

اسلامی بینکاری

تاریخ و پس منظر اور غلط فہمیوں کا ازالہ

خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ



[urdukutabkhanapk.blogspot](http://urdukutabkhanapk.blogspot.com)

الافتان

صفورہ چوک، کرن، ہسپتال روڈ، بالمقابل PSO پمپ، اسکیم 33

یونیورسٹی روڈ کراچی

طبع اوّل : صفر ۱۴۳۰ھ - فروری ۲۰۰۹ء

مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر : الافنان

صفورہ چوک، کرن ہسپتال روڈ، بالمقابل PSO پمپ، اسکیم 33

یونیورسٹی روڈ کراچی 75270

فون : 0321-2391971 ، 021-4645151

ای میل : afnancorp@hotmail.com

[urdukutabkhanapk.blogspot](http://urdukutabkhanapk.blogspot.com)

ملنے کے پتے:

- | | |
|----------------------------------|---------------------------------|
| ✽ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴ | ✽ مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴ |
| ✽ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی | ✽ بیت القرآن، کراچی |
| ✽ ادارۃ اسلامیات، انارکلی، لاہور | ✽ مکتبہ زکریا، بنوری ٹاؤن کراچی |

ترتیب

اسلامی بینکاری

تاریخ و پس منظر اور غلط فہمیوں کا ازالہ

خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

www.deeneislam.com



اسلامی بینکاری کا مسئلہ

اصول فتویٰ کی روشنی میں

خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مفتی اعظم پاکستان

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
۱۰	ایک پُرسوز بیان [پیش لفظ]
	اسلامی بینکاری
۱۳	تاریخ و پس منظر اور غلط فہمیوں کا ازالہ
	خطاب
	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
۱۵	حاضری کا مقصد
۱۶	اسلامی بینکاری کی تاریخ اور پس منظر
۱۷	اسلامی نظریاتی کونسل کی جدوجہد
۱۷	حکومتی تحریفات اور اس پر میرا احتجاج
۱۹	سرکاری سے نجی کی طرف
۱۹	ایک ضروری وضاحت
۲۰	اصل صورتِ حال یہ ہے
۲۱	تفرّد نہیں اجتماعیت
۲۱	اعتراضات کے حوالے سے میرا ایک طرزِ عمل
۲۲	پچھلے دنوں کی روئیداد

صفحہ نمبر	عنوان
۲۳	حضرت کے نام میرا خط.....
۲۵	حضرت سے بات چیت.....
۲۶	کیا اسلامی بینکاری ممکن ہے؟.....
۲۷	یہودیوں کی میرے خلاف مہم.....
۲۸	اجتماع کی ضرورت پر میرا زور.....
۳۰	کچھ باتیں متعلقہ فتویٰ کے بارے میں.....
۳۱	معاشیات کا موضوع اور میں.....
۳۲	کچھ تبصرہ متعلقہ تحریر پر.....
۳۳	تقریباً 90 فیصد.....
۳۵	کیا اسلامی بینکاری محض حیلہ ہے؟.....
۳۷	میری گفتگو کا اصل سیاق.....
۳۷	مرا کہ کیا ہے؟.....
۳۸	مرا کہ مؤجلہ، جواز اور ثبوت.....
۴۰	مرا کہ مؤجلہ خلافت عثمانیہ میں.....
۴۰	مرا کہ مؤجلہ اور قلب الدین.....
۴۱	مرا کہ مؤجلہ میں فقہاء کی غیر معمولی رعایت.....
۴۲	اسلامی بینکاری پر چار فقہی اشکالات
۴۲	پہلا اشکال..... تصدق کا التزام.....
۴۳	مشکل کا ایک ممکنہ حل.....
۴۵	مفتی کو سائل کی جگہ اتر کر غور کرنا چاہیے.....
۴۵	خروج عن المذہب کے حوالے سے ایک قابل غور نکتہ.....

صفحہ نمبر	عنوان
۴۷	دوسرا اشکال..... وعدہ کا لزوم.....
۴۸	تیسرا اشکال..... فی یوم فی روپیہ کی بنیاد پر نفع کی تقسیم.....
۵۰	تقسیم نفع کے اس اصول کے نظائر.....
۵۲	شرعی متبادل بتانا سنتِ رسول ہے.....
۵۳	متبادل تجویز کرنے کا ایک اصول.....
۵۴	چوتھا اشکال..... محدود ذمہ داری کا تصور.....
۵۵	کیا محدود ذمہ داری سے سارا کاروبار ناجائز ہو جائے گا؟.....
۵۷	حوالہ جات
۶۵	سوالات و جوابات
	حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ
۶۶	کی تحریر.....
۶۹	حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کا خط.....
۷۸	اسلامی بینکوں کی نگرانی کا نظام اور اس کے مختلف مراحل.....
۸۱	تکافل کا شرعی طریقہ کار.....
۸۱	اسلامی بینکوں کی شرکت و مضاربیت کی بنیاد پر ریٹنگ.....
۸۲	اسلامی بینکوں میں شرکت و مضاربیت کے حوالے سے درپیش مشکلات.....
۸۲	شرکت و مضاربیت کے ایک شائق کا سچا واقعہ.....
۸۴	اسلامی بینک اور مائیکروفنانسنگ.....
۸۵	حالیہ عالمی بحران میں اسلامی بینک کیوں سب سے کم متاثر ہوئے؟..
۸۵	دینی کے حالیہ مالیاتی بحران کی وجہ.....
۸۷	ٹریینیڈاڈ کے صدر سے ملاقات.....

صفحہ نمبر	عنوان
-----------	-------

۸۷ سودی معیشت ”بیل اکانومی“ ہے

۸۸ اسلامی بینکاری پر مفتیانِ کرام کیا فتویٰ دیں؟

اسلامی بینکاری کا مسئلہ

۹۰ اصولِ فتویٰ کی روشنی میں

خطاب

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب

۹۱ غیر منصوص مسائل کی تخریج کا اصول

۹۲ میرے والد صاحب کا ایک واقعہ

۹۳ ہمارے زمانے کا ایک المیہ

۹۴ اتفاق رائے اور اختلاف رائے

۹۵ ضرورت کے وقت متبادل بنانا ضروری ہے



تنگ آجائے گی خود اپنے چلن سے دُنیا
تُجھ سے سیکھے گا زمانہ ترے انداز کبھی
زکی کیفی

پیش لفظ

ایک پُر سوز بیان

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن و سنت پر نظر رکھنے والا ہر شخص اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ”سود“ کی حرمت و شاعت کو بیان کرتے وقت کتاب اللہ اور احادیث مبارکہ کا لب و لہجہ غیر معمولی طور پر سخت اور آہنگ بلند ہو جاتا ہے۔ سود خوری کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تقسیم کے نظام میں احکم الحاکمین کے وضع کیے ہوئے قواعد و ضوابط کی اس طور پر نافرمانی کرتا ہے کہ شریعت اسلامیہ اس کی مذمت اور اس کے جرم کی شاعت و قباحت کے بیان میں انتہائی سخت الفاظ میں تنبیہ کرتی نظر آتی ہے۔

اُمت مسلمہ کے لیے شریعت اسلامیہ کی اس اہم ترین تنبیہ و تاکید پر عملدرآمد میں لامتناہی مشکلات اور رکاوٹوں کا آغاز اس وقت ہوا جب سودی معیشت اور سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے جبر کے پنچے پوری دنیا کے مالیاتی اداروں اور اقتصادی نظام کے حلق میں گاڑ دیے۔ اب اگر کسی ملک نے اپنا نظام چلانا ہو، بین الاقوامی تجارت یا درآمد و برآمد کی معاشی سرگرمی میں حصہ لینا ہو تو اس کے لیے ان سودی اداروں کے علاوہ کوئی آپشن نہیں چھوڑا گیا۔ غیرت مند اور ایمان دار مسلمانوں نے حتی المقدور اپنے دامن کو سود کی آلائشوں سے پاک رکھنے کی کوشش کی مگر سودی نظام نے کم از کم سود کے غبار کو ان کے نتھنوں تک پہنچانے میں بھی ہر ممکن کوشش صرف کی۔ اس مسموم فضا میں علمائے ربانین اور فقہائے ملت

کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری آئی کہ وہ اُمت کی کسی ایسے راستے کی جانب راہنمائی کریں جو ان کو ”سود خوری“ کے قبیح ترین جرم سے بچا کر معاشی و تجارتی سرگرمیوں کی مطلوب منازل تک پہنچا سکے۔ لائق صد تحسین ہے علمائے اُمت کی وہ جماعت جس نے انتہائی نامساعد حالات، مالیاتی اداروں کے عدم تعاون، حکومتوں کی مجرمانہ غفلت اور سرمایہ دار مسلمانوں کی بے توجہی کے باوجود عامۃ المسلمین کو سود سے بچانے کے لیے ان سودی مالیاتی اداروں کے متوازی غیر سودی اداروں کی طرح ڈالی اور شہباز و ممولے کی اس جنگ میں مولہ کی پرورش اور نشوونما کی ہر ممکن کوشش کی۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کوشش اتنے بڑے عفریت کے خلاف تھی کہ اس کے پہلے مرحلے میں اس سے سو فیصد نتائج کی برآمدگی کا مطالبہ نامناسب اور تدریج کے آفاقی اصولوں کی پامالی ہے، مگر اس حقیقت کے اعتراف میں بھی کوئی باک نہیں ہونا چاہیے کہ غیر سودی مالیاتی اداروں کے قیام اور پھر ان کی کامیابی کے تصور نے سود خور یہودیوں اور ان کے انصار و اعوان کی نیند اڑا دی ہے۔ کیا مسلمان اس قدر بالغ النظر اور اپنے آفاقی دین کی تعلیمات پر اس حد تک کاربند ہو جائیں گے کہ وہ اپنے اقتصادی و مالیاتی معاملات کو علمائے کرام کی زیر نگرانی شریعت مطہرہ کے ضابطوں اور قوانین کی روشنی میں چلانے کی کوشش کریں گے؟ اس تصور سے مغرب کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بہت رحمتیں اور برکتیں نازل کرے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پر کہ ان کی ذات ان مخلص ربانی علمائے کرام میں سے ہے جنہوں نے ”سود“ کے خلاف اعلان جہاد کرتے ہوئے اُمت مسلمہ کو اس سے بچانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کی جدوجہد کو غیر شرعی نظام کے خاتمے اور شرعی مالیاتی نظام کی ترویج کا ذریعہ بنائے۔

گزشتہ دنوں کچھ علمائے کرام نے اسلامی بینکاری کے بارے میں ایک فتویٰ جاری

فرمایا۔ اس فتوے کو ”متفقہ فتویٰ“ اور ”جمہور کا موقف“ کہا اور سمجھا جا رہا تھا جبکہ ثقہ علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی ایک بڑی تعداد کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام صاحب سے سنجیدہ اور متدین حلقے اس بارے میں کئی دنوں سے اظہارِ خیال کا مطالبہ کر رہے تھے، چنانچہ مخصوص افراد کی ایک مجلس میں حضرت نے بڑی ہی دلسوزی سے اس موضوع پر کچھ مختصر سی گفتگو فرمائی جو بڑی چشم کشا ہے۔ قارئین کے استفادے کے لیے اس گفتگو کو شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے اور حق کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا، وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ
وَّارِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا، وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ
آمین یا رب العالمین

اسلامی بینکاری

تاریخ و پس منظر اور غلط فہمیوں کا ازالہ



www.deeneislam.com

خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ



الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسوله الكريم،
وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

اما بعد!

حاضری کا مقصد:

میرے مخدوم بزرگ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی اور حضرات علمائے کرام!
میں اپنے مخدوم بزرگ مولانا مشرف علی تھانوی صاحب اور مولانا قاری احمد میاں
صاحب تھانوی مدظلہم کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ نا کارہ کو یہاں حاضری
کی دعوت دی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے آج کے دن پہلے ہی یہاں حاضری کا ارادہ کیا ہوا
تھا اور اس کا مقصد صرف ملاقات تھا۔ حضرت مولانا قاری احمد میاں صاحب مدظلہم جب
کراچی تشریف لائے تو انہوں نے حضرت کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ ہمارے کچھ احباب
جن کا تعلق فقہ اور فتویٰ سے ہے، وہ مجھ سے میری معلومات کی حد تک اس موضوع کے متعلق
صحیح صورتِ حال سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں جو آج کل چھڑا ہوا ہے۔ اس مقصد کے لیے چند
محدود افراد پر مشتمل اجتماع کا ارادہ ہے۔

ملاقات کا ارادہ تو پہلے سے تھا، اس دعوت کے بعد مزید پختہ ہو گیا۔ خیال تھا کہ چند
احباب ہوں گے مگر ماشاء اللہ یہاں تو اچھا خاصا مجمع ہو گیا ہے۔ اس موضوع پر پہلے بھی
مختلف مواقع پر اجتماعات منعقد ہوتے رہے ہیں لیکن موجودہ فضا میں اس موضوع پر بات
کرنے کے لیے حالات کے اس پس منظر سے قطع نظر نہیں کی جاسکتی جس میں یہ اجتماع

منعقد ہو رہا ہے۔ پچھلے دنوں اس موضوع پر جو واقعات پیش آئے اگر ان سے صرفِ نظر کر کے بات کی جائے تو شاید مفید نہ ہو۔ ہم آپس میں بیٹھے ہیں اور الحمد للہ بے تکلف مجلس ہے، اس لیے کسی قسم کے تحفظات کے بغیر اگر صورتِ حال کی وضاحت کی جائے تو بظاہر نامناسب نہ ہوگا۔

اسلامی بینکاری کی تاریخ اور پس منظر:

پہلے تو میں مختصر اُپہ عرض کر دوں کہ اسلامی بینکاری یا غیر سودی بینکاری کا جو تصور اس وقت اُبھرا ہے، وہ کوئی نیا نہیں ہے اور کیونکہ مجھے اس میدان میں تھوڑا بہت کام کرنے کا موقع ملا، اس لیے لوگوں کے ذہنوں میں یہ تاثر ہے کہ میں ہی اس کا موجد یا علمبردار ہوں یا میں نے ہی سب سے پہلے یہ کام شروع کیا ہے۔ واقعہ یہ نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سودانِ عظیم گناہوں میں سے ہے کہ اللہ نے اس کے لیے وہ الفاظ استعمال فرمائے جو کسی اور گناہ کے لیے استعمال نہیں کیے۔ ”فَاذْنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ“ یہ ارشادِ زنا کے لیے نہیں ہوا، شراب کے لیے نہیں ہوا، جوئے کے لیے نہیں ہوا، دوسرے بد سے بدتر گناہ کے لیے نہیں ہوا، لیکن دودھائیاں پہلے مغرب زدہ متجددین نے یہ بحث چھیڑی کہ بینکوں کا سود اس ”ربا“ کی تعریف میں نہیں آتا جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

”ربا“ کے نام پر جو مقالے ان متجددین نے لکھے تھے اس میں یہی موقف اختیار کیا گیا تھا کہ ربا کی حقیقت وہ ہے جو دو غریب آدمی آپس میں کرتے ہیں، لیکن تجارتی سود میں جو بڑے پیمانے پر رقیس لی اور دی جاتی ہیں، وہ ربا نہیں۔ اس کے خلاف الحمد للہ! کئی مقالات مجھے لکھنے کی توفیق ہوئی۔ اس کے بعد وفاقی شرعی عدالت میں یہ مسئلہ اُٹھا۔ سپریم کورٹ میں یہ مسئلہ آیا اور وہاں مہینوں اس پر بحث جاری رہی۔ ہم نے سپریم کورٹ کی طرف سے یہ فیصلہ دیا کہ بینکوں کا سود بھی ربا کی تعریف میں داخل ہے۔ وہ فیصلہ نافذ بھی ہوا

اور اسی فیصلے کی پاداش میں وہ بیچ توڑی گئی اور مجھے اس بیچ سے الگ ہونا پڑا..... لیکن الحمد للہ! وہ سارے دلائل جو علمائے حق کی کوششوں سے پیش کیے گئے تھے، ان کے نتیجے میں یہ فیصلہ جاری ہوا کہ ربا کی ہر قسم اور سود کی ہر شکل..... چاہے وہ چھوٹی ضرورت کے لیے ہو یا بڑی تجارت کے لیے..... وہ بہر حال حرام ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی جدوجہد:

اسلامی نظریاتی کونسل جو 1977ء میں صدر ضیاء الحق کے دور میں قائم ہوئی تھی، اس میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بھی رکن تھے۔ مجھے بھی اس کارکن چنا گیا تھا۔ اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل کے ذمہ جو اہم بنیادی کام تھے، ان میں سرفہرست یہ کام تھا کہ ان بینکوں کو سود سے پاک کیا جائے اور اس کے لیے کام کیا جائے۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی بہت جلد وفات ہو گئی، لہذا ہم ان سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکے۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمہ اللہ ان کی جگہ تشریف لائے اور اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک رپورٹ مرتب کی۔ وہ رپورٹ بینکوں کو سود سے پاک کرنے کے متعلق تھی۔ اس وقت جو حضرات موجود تھے ان میں حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مفتی سیاح الدین کا کاخیل صاحب اور بریلوی حضرات میں سے مفتی محمد حسین نعیمی صاحب..... ان سب حضرات کی موجودگی میں وہ رپورٹ تیار ہوئی اور پھر شائع بھی ہوئی۔ انگریزی میں بھی اردو میں بھی۔

حکومتی تحریفات اور اس پر میرا احتجاج:

لیکن حکومت نے جب اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تو اس میں طرح طرح کی تحریفات کر کے اس کا حلیہ بگاڑ ڈالا اور پھر اس کو اپنی من مانی سے نافذ کیا۔ اس وقت تمام بینکوں میں اعلان کیا گیا کہ ہم پی ایل ایس اکاؤنٹ یعنی نفع و نقصان میں شرکت والا اکاؤنٹ کھولیں گے۔ اس وقت لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ کیا تبدیلی آئی ہے؟ میں نے جائزہ

لیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کے بالکل خلاف ہے۔ میں نے آواز اٹھائی کہ انہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل کے خلاف تمام کام کیے ہیں اور رپورٹ میں اسلامی بینکاری سے متعلق جو باتیں کہی گئی تھیں ان پر صحیح طریقے سے عمل نہیں کیا گیا۔ شاید سب سے پہلے میں نے ہی اس کے خلاف اخبارات میں مضمون لکھے جس میں ان غلطیوں کی نشان دہی کی گئی۔ خلاصہ یہ کہ وہ محض ایک دھوکا تھا۔ حقیقت میں اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں جو باتیں کہی گئی تھیں ان پر صحیح طریقے سے عملدرآمد نہیں کیا گیا تھا۔ جب ہمارا یہ احتجاج آگے بڑھا تو ایک مرحلے پر حکومت سے گفتگو ہوئی۔ حکومت نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ آپ ترمیمات تجویز کریں تو اس نظام کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس وقت جب یہ کام شروع ہونے لگا تو ہمارے ہاں ایک مجلس تھی ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ کے نام سے جو حضرت والد صاحب کے زمانے سے قائم تھی۔ اس میں حضرت والد صاحب، حضرت بنوری، حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہم اللہ شامل تھے اور جب موقع ملتا تو دوسرے علماء کو بلا کر کسی مسئلے پر گفتگو کی جاتی تھی۔ تو اس وقت ایک مجلس منعقد کی گئی تاکہ ایسی تجاویز طے کی جاسکیں جن کی رو سے یہ معاملہ جو غلط رخ پر پڑ گیا ہے اس کو صحیح رخ پر لاسکیں۔ چنانچہ ایک مجلس دارالعلوم کراچی میں ہوئی۔ اس میں ایک متفقہ رپورٹ تیار ہوئی۔ اس میں ان طریقوں کی نشان دہی کی گئی جو جائز ہو سکتے تھے۔ اس مجلس میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، مفتی محمد وجیہ صاحب، حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہم اللہ اور خیر المدارس سے حضرت مولانا انور صاحب..... یہ تمام حضرات اس میں شامل تھے اور ہم بھی اس میں موجود تھے۔ انہوں نے اس موضوع پر جو تجاویز مرتب کیں وہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہم اللہ نے احسن الفتاویٰ میں شائع بھی کرا دیں۔ احسن الفتاویٰ کی ساتویں جلد میں موجود ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اس پر بھی عملدرآمد نہیں ہوا اور حکومتی سطح پر جو بینک تھے اسی سابقہ ڈگر پر چلتے

رہے۔ ان کے اندر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

سرکاری سے نجی کی طرف:

اسی دوران یہ آواز اُٹھی کہ اگر حکومتی سطح پر ادارے قائم نہیں ہو رہے تو کم از کم نجی اور پرائیویٹ سیکٹر میں اور غیر سرکاری سطح پر کچھ ادارے قائم کیے جائیں۔ عرب ممالک میں اس کا زیادہ رجحان ہوا۔ پہلے پاکستان میں شروع ہوا تھا لیکن پاکستان میں ان سب حالات کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکا، پھر یہ عرب میں شروع ہوا جس کے لیے وہاں کے علماء کی بھی مجلسیں منعقد ہوئیں۔ اس وقت کم و بیش انہی تجاویز پر اتفاق کیا گیا جن پر ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ میں اتفاق کیا گیا تھا۔ اس کی بنیاد پر یہ ادارے قائم ہوئے۔ پھر پاکستان میں بھی ایسے بینکوں کا قیام شروع ہوا۔ شروع میں فیصل بینک کے نام سے بینک تھا جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اسلامی طریقے سے کام کرے گا۔ میں نے بہت مدت تک اس کے ساتھ کام کی کوشش کی لیکن اس میں بھی مجھے کامیابی نہ ہو سکی اور بالآخر مجھے اس کو چھوڑنا پڑا..... لیکن بعد میں کچھ ادارے وجود میں آئے جنہوں نے ہماری تجاویز کو مانا اور مان کر اس پر عملدرآمد کرنے کی یقین دہانی کرائی اور اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ ان تجاویز پر عمل یقینی بنایا جائے گا۔ اس کے بعد یہ چند بینک پاکستان میں قائم ہوئے۔

ایک ضروری وضاحت:

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ پاکستان میں اسلامی بینکاری کے نام سے جو بینک قائم ہیں ان کے بارے میں بسا اوقات لوگوں کے ذہنوں میں یہ تاثر رہتا ہے کہ شاید ہر بینک سے میرا تعلق ہے اور ہر بینک میری ہدایات کے مطابق چلتا ہے یا ہر بینک کو میں نے تصدیق نامہ دیا ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ پاکستان میں صرف تین بینک ہیں جن سے میرا تعلق ہے۔ پھر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا مالک ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اس کا شیئر

ہولڈر ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کا منتظم ہے۔ حالانکہ ان میں سے کچھ نہیں۔ صرف اتنی سی بات ہے کہ ہر بینک کا ایک شریعہ بورڈ ہوتا ہے۔ شرعی معاملات کی حد تک اس کی نگرانی، اس بارے میں اس کو ہدایات دینا، یہ اس کا کام ہوتا ہے۔ شریعہ بورڈ کے ایک رکن کی حیثیت سے میرا ان تین بینکوں سے تعلق ہے۔ میزان بینک، بینک اسلامی اور خیبر بینک۔ اس کے علاوہ جو بینک ہیں ان سے میرا براہ راست تعلق نہیں ہے کہ میں اس کے شریعہ بورڈ کا رکن ہوں یا ان کو میں براہ راست ہدایات دیتا ہوں۔ اور ان تین بینکوں سے جو میرا تعلق ہے وہ صرف شریعت کے مسائل کی حد تک ہے۔ اس کے لیے ہدایات جاری کرنا، اس کی نگرانی کرنا۔ ان دو تین کاموں کی حد تک ان سے محدود تعلق ہے۔ انتظامیات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس کی ملکیت سے کوئی تعلق ہے۔

اصل صورتِ حال یہ ہے:

الغرض ان تین بینکوں سے بھی میرا تعلق صرف اس حد تک ہے کہ میں اس کا بنیادی ڈھانچہ، بنیادی نظام اور جو شرعی مسائل ہیں، ان کی حد تک ان کو ہدایات دیتا ہوں۔ ان کے قوانین کے اندر یہ بات درج ہے کہ وہ سارے کام شرعی بورڈ کی نگرانی اور اس کی ہدایات کی روشنی میں کریں گے۔ یہ ہے حقیقی صورتِ حال۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا بینک کھلا ہوا ہے۔ آپ کے بینک میں یہ ہو رہا ہے۔ نہ میرا بینک ہے نہ میرا کوئی انتظامی نوعیت کا تعلق ہے۔ یہاں تک ہوتا ہے کہ کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ میرے پاس درخواستیں نہ آتی ہوں کہ فلاں آدمی آپ کے بینک میں ملازمت چاہتا ہے۔ اس کو رکھ لیجیے۔ لیکن میں نے عرض کیا کہ میرا کوئی انتظامی نوعیت کا اور ملکیت کا کوئی تعلق نہیں۔ صرف ان کو شرعی مسائل کے حل میں مشورہ ضرور دیتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی نگرانی کرتا ہوں۔ یہ ہے صورتِ حال۔

تفرّد نہیں اجتماعیت:

اس دوران جیسا کہ ہمیں نے عرض کیا جو کچھ کام میں نے شروع کیا تھا اس کی بنیاد درحقیقت وہ تحقیق تھی جو ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ میں اجتماعی طور پر آئی تھی اور جو احسن الفتاویٰ میں چھپی ہوئی ہے..... لہذا میں اپنے طور پر یہ سمجھا تھا کہ میں نے اپنی انفرادی رائے سے یہ کام نہیں کیا بلکہ علمائے کرام کے مشورے سے کیا ہے۔ اس مجلس میں اس وقت جو ہمارے بڑے علماء تھے، ان کی ہدایات اور ان کی تصدیق کے ساتھ میں نے بات کی ہے، لہذا مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ میں تفرّد کی راہ اختیار کر رہا ہوں یا میں محض انفرادی رائے پر عمل کر رہا ہوں۔ ہاں! یہ ضروری نہیں کہ دوسرے علماء اس سے متفق ہوں..... لہذا اگر علمائے کرام کی طرف سے کوئی سوال آتا یا کوئی اشکال پیدا ہوتا تو جنہوں نے براہ راست مجھ سے رابطہ کیا، میں نے حتی الامکان اگر تحریری سوال کیا گیا تو تحریری جواب دیا۔ اگر زبانی سوال کیا تو زبانی جواب دینے کی کوشش کی۔ بلکہ بعض علمائے کرام نے کہا کہ ہم یہ نظام دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو وہاں بھیج بھی دیا۔ ان کے کاغذات دیکھ لیجیے۔ ان کے معاہدات دیکھ لیجیے۔ وہاں جا کر معاینہ فرما لیجیے۔ بعض علمائے کرام ایسے بھی تھے جنہوں نے دس دس، بارہ بارہ دن لگائے اور بینکوں کے اندرونی نظام کا جائزہ لیا اور پھر اس کے بعد کسی نے اطمینان کا اظہار کیا اور کسی کو کچھ شبہات بھی تھے۔ کسی نے تجاویز بھی پیش کیں۔ ان کے مطابق بھی عمل کیا گیا۔

اعتراضات کے حوالے سے میرا ایک طرزِ عمل:

یہاں ایک بات ضرور ہے کہ بعض علماء کی طرف سے کوئی تحریر لکھ کر چھاپ دی گئی تو جو مطبوعہ تحریر لکھ کر تردید میں چھاپ دی گئی..... تو اس میں میرا طرزِ عمل یہ ہے..... پتا نہیں یہ طرزِ عمل صحیح ہے یا غلط؟..... میں یہ کرتا ہوں کہ اس کو پڑھتا تو اس نیت سے ہوں کہ اگر اس

میں میری کوئی غلطی ثابت ہو تو اس پر غور کر کے اگر رجوع کرنا مناسب ہو تو رجوع کر لوں..... لیکن اگر پڑھنے کے بعد میں اس سے متفق نہ ہوں تو اس کی تردید کی فکر میں نہیں پڑتا کہ میں بھی جواب لکھ کر اس کی تردید کر دوں۔ ایسا میں نہیں کرتا۔ نہ میرا یہ معمول رہا ہے اور نہ ہی ایسا کرنا پسند کرتا ہوں۔ خواہ مخواہ اس سے رد و قدح کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ہاں! البتہ کوئی براہ راست رجوع کر کے سوال کرے تو اس کا جواب ضرور دیتا ہوں۔ چنانچہ جن حضرات نے تحریری طور پر کوئی سوال کیے تو جو کچھ میرے ذہن میں آیا میں نے اس کے جواب دیے۔ میرے پاس ایک فائل موجود ہے جس میں سوال و جواب کا یہ مجموعہ ہے۔ اس کے باوجود یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے اور ہر موقع پر جب بھی اجتماع ہوا ہے، میں یہ گزارش کرتا رہا ہوں اگر اب بھی کوئی اشکال ہے تو وہ بلا تردد سامنے لایا جائے اور جانہیں ٹھنڈے دل کے ساتھ ایک دوسرے کے دلائل کو سمجھ لیں اور اس کے بعد اس پر غور کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک فریق اپنی رائے سے رجوع کر لے۔ غلط فہمی ہو تو دور ہو جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اتفاق نہ ہو اور دونوں رائے اپنی جگہ رہیں۔ اختلاف آراء ہو جائے۔ یہ اکابر کا معمول رہا ہے۔

پچھلے دنوں کی روئیداد:

پچھلے دنوں جمادی الثانی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میرے مخدوم بزرگ اور محترم استاد حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے مجھے یاد فرمایا۔ پہلے فرمایا تھا کہ ہم آنا چاہتے ہیں لیکن میں نے عرض کیا کہ میں خود حاضر ہو جاؤں تو حضرت نے مجھے یاد فرمایا اپنے جامعہ فاروقیہ میں۔ میں وہاں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت سے ٹیلی فون پر جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے پوچھا کہ کیا موضوع ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ بینکاری کے موضوع پر آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔ میں نے عرض کیا میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس

کے لیے کوئی اجتماع بلا لیں تاکہ باہمی غور و فکر ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا صرف تم سے مشورہ کرنا ہے۔ چنانچہ میں وقت مقررہ پر حاضر ہوا تو وہاں دوسرے علمائے کرام بھی تشریف فرما تھے۔ کراچی کے کچھ مفتی حضرات تھے اور کچھ دوسرے علماء بھی تھے۔ اس موقع پر حضرت نے مجھے ایک تحریر پڑھ کر سنائی اور یہ فرمایا کہ ہم آپ کو یہ تحریر پڑھ کر سنا بھی رہے ہیں اور اس کی ایک نقل دیں گے بھی۔ چنانچہ حضرت نے وہ تحریر پڑھ کر مجھے سنائی۔

یہ تحریر میرے پاس موجود ہے لیکن ساری عبارت پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ تم سے یہ بینکاری نظام جاری کرنے میں غلطی ہوئی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سننے میں بھی آیا ہے کہ شاید اس معاملے میں آپ اپنے آپ کو عالم الناس سمجھتے ہیں۔ اگرچہ مجھے اس قول کی نسبت آپ کی طرف کرتے ہوئے شبہ ہوتا ہے لیکن اگر واقعی آپ نے ایسا کہا ہے تو یہ میاں مٹھو بننے کی بات ہے اور اگر واقعی ایسا نہیں کہا تو پھر اتنے دنوں سے اضطراب پایا جاتا ہے علمائے کرام کے درمیان تو آپ نے اس اضطراب کو دور کرنے اور لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہر حال غلطی پر ہیں کیونکہ اضطراب کسی غلطی پر ہی ہوا کرتا ہے۔ یہ تحریر حضرت نے مجھے جمع میں سنائی۔ جب سنا چکے تو حضرت نے فرمایا: دعا کریں۔ میں نے عرض کیا حضرت میں کچھ عرض کروں؟ حضرت نے فرمایا مجھے ایرپورٹ جانا ہے۔ بات کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ میں نے کہا: حضرت آپ نے مجھے مشورے کے لیے یاد فرمایا تھا۔ کہنے لگے: نہیں! میں نے مشورے کے لیے نہیں بلایا تھا۔ صرف یہ بات سنانے کے لیے بلایا تھا۔ غرض یہ کہ حضرت اس وقت تشریف لے گئے اور مجھے بات کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔

حضرت کے نام میرا خط:

بعد میں جب میں حضرت کے ہاں سے واپس آ گیا تو میں نے حضرت کے نام خط لکھا

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کیونکہ اس وقت آپ نے مجھے کوئی موقع نہیں دیا تھا تو میں اب کچھ وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ پھر میں نے جو تفصیل آپ کو ابھی بتائی ہے، تو وہ میں نے حضرت کو خط میں لکھ دی اور یہ عرض کیا کہ اب بھی اس کے باوجود کہ یہ نظام ساری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ صورتِ حال ایسی ہے کہ بینکاری کا نظام ایسا ہے کہ اس نے جال بچھا کر پنچے گاڑھے ہوئے ہیں۔ جگہ جگہ۔ لہذا بینک کے کسی ایک معاملے کو تبدیل کر دینے سے بسا اوقات فرق واضح نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے اکاؤنٹنگ کے طریقے الگ ہیں۔ آڈیٹنگ کے طریقے الگ ہیں۔ اس کے حسابات رکھنے کے طریقے الگ ہیں۔ اس کے ریٹنگ کے طریقے الگ ہیں۔ لہذا جب اسلامی ادارے قائم ہونا شروع ہوئے تو یہ احساس پیدا ہوا کہ جب تک اسلامی بینکوں میں اکاؤنٹنگ، آڈیٹنگ وغیرہ کے طریقے مختلف نہیں ہوں گے، اپنے الگ سے نہیں ہوں گے، اس وقت تک یہ نظام درست نہیں ہو سکتا اور ان میں سے کسی چیز کا نظام درست نہیں ہو سکتا، لہذا ان میں سے ہر چیز کے لیے الگ ادارے قائم ہوئے۔

پھر کیونکہ دنیا میں مختلف بینک قائم ہو رہے تھے اور ہر بینک کا ایک شریعہ بورڈ ہے۔ اس کے اندر علماء ہیں۔ اب چونکہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو غیر منصوص ہیں۔ ان کے بارے میں آراء میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ ایک بینک کا شریعہ بورڈ کہہ رہا ہے یہ جائز ہے۔ دوسرے بینک کا شریعہ بورڈ کہہ رہا ہے ناجائز ہے۔ اب دونوں کے درمیان اگر معاملہ ہو تو کیسے ہو؟ اس غرض کے لیے ”مجلس المعاییر الشرعیہ“ قائم ہوئی کہ ایسے معاییر تیار کیے جائیں جو سب اداروں میں یکساں طور پر نافذ کیے جاسکیں۔ یہ ”مجلس الشرعی“ کے نام سے ہے۔ اس کا دفتر بحرین میں ہے لیکن اس کا اجلاس ہر چھ مہینے بعد ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ہوتا ہے۔ اس میں وہ بیس علماء جو مختلف اسلامی بینکوں کے اندر شریعہ بورڈ کے رکن کے طور پر کام کرتے ہیں، ان کی نمائندگی ہے۔ وہ اس بات کا جائزہ لیتی ہے کہ کس معاملے میں کیا معیار ہو؟ ”المعاییر الشرعیہ“ کے نام سے ایک جلد شائع ہو چکی ہے۔

اس میں تیس سے زیادہ معایر ہیں۔ بینکوں میں جو معاملات ہو رہے ہیں ان میں کن احکام کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؟ مضاربہ میں کن احکام کو، مرابحہ میں کن کو اور اجارہ میں کن کو، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت سے بات چیت:

تو میں نے عرض کیا تھا سارا کام اس طرح ہوا ہے کہ اس کو بیک جنبش قلم یہ کہنا یہ سب غلط ہے۔ حرام اور ناجائز ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کے بجائے اس میں اگر کوئی خامیاں ہیں..... اور یقیناً ہوں گی..... تو ان کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس غرض کے لیے میں نے کہا تھا کہ جیسے پہلے اجتماع ہوا تھا۔ ایک اور اجتماع کر لیا جائے۔ اس میں کھلے دل سے آزادی کے ساتھ غور کر لیا جائے کہ اگر کوئی قابل اصلاح امور ہیں تو ان کی اصلاح کر لی جائے۔ ہاں! اگر مایوسی ہو جائے کہ اس میں اب کوئی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی تو پھر بات دوسری ہے۔ جب میں نے یہ خط لکھا تو حضرت والا خود دارالعلوم تشریف لائے۔ حضرت نے علیحدگی میں بات کی۔ پہلے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کا بہت ہی ادنیٰ شاگرد ہوں اور نیاز مند ہوں۔ مجھے آپ ڈانٹیں بھی تو اس میں میری عزت افزائی ہوگی..... لیکن چھوٹے کو شکایت کا حق ضرور ہوتا ہے۔ میری شکایت یہ ہے کہ عرصہ دراز سے آپ سے نیاز مندی ہے۔ آنا جانا ہے۔ سفر حضر میں ساتھ رہے ہیں۔ ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ مشورے ہوتے رہے ہیں۔ کبھی اشارۃً اور کنایۃً آپ نے اس موضوع کے بارے میں بات نہیں فرمائی اور آج آپ نے اچانک یہ تحریر مجھے دی اور اس کے بعد مجھے موقع نہیں دیا۔ اس کا شکوہ مجھے ضرور ہے اور میں نے یہ بھی بے تکلف عرض کیا..... کیونکہ بے تکلف مجلس ہے یہ بات بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں..... کہ آپ کے مشفقانہ طرزِ عمل سے یہ بات بہت ہی مختلف نوعیت کی نظر آرہی ہے تو اس واسطے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ اس کے

پیچھے کوئی سازش نہ ہو۔ حضرت نے تقریباً ایک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بات کی۔

کیا اسلامی بینکاری ممکن ہے؟

حضرت نے پوچھا کہ اسلامی بینکاری ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی تصور ہے بھی یا نہیں؟ میں نے حضرت کی خدمت میں اب تک جو کام ہوا ہے اس کی تفصیل عرض کی۔ حضرت نے فرمایا: یہ بتاؤ! جب اسلامی بینک اسٹیٹ بینک کے تحت کام کرتا ہے اور اسٹیٹ بینک سودی نظام پر چل رہا ہے تو اسلامی بینک کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ وہی باتیں ہیں کہ اگر کسی وقت پہلے ان پر بات ہو جاتی تو شاید دو منٹ میں معاملہ ختم ہو جاتا۔ اس لیے کہ اسٹیٹ بینک بے شک نگرانی کرتا ہے لیکن اس نے غیر سودی بینکوں کے لیے الگ شعبہ، الگ نظام، الگ قواعد و ضوابط بنائے ہوئے ہیں۔ لہذا اسٹیٹ بینک کے کسی قاعدے کے نتیجے میں کسی غیر سودی بینک کو کسی غیر شرعی معاملے پر مجبور نہیں ہونا پڑتا۔ اس لیے یہ بات کہ اسلامی بینک اسٹیٹ بینک کے تحت ہیں تو اسلامی بینکاری نہیں ہو سکتی، یہ غلط ہے۔ خیر! کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے حضرت کے سامنے وہ تمام تفصیلات رکھیں جن پر اب تک کام ہوا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس مجلس کا بہت فائدہ ہوا کہ بہت سی باتیں جو میرے علم میں نہیں تھیں وہ آج علم میں آئیں لیکن بہر حال کچھ فقہی اشکالات ہیں۔ ان کا کچھ حل ہونا چاہیے۔ میں نے کہا: بے شک! میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں ان کے لیے کوئی اجتماع بلا لیا جائے۔ اس میں ان مسائل پر غور و فکر ہو جائے اور باہمی مذاکرے کے ذریعے ان مسائل کا حل سوچ لیا جائے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا فرض کیجیے اس مذاکرے کے نتیجے میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ سب غلط ہے تو مجھے ان شاء اللہ رجوع میں بھی تامل نہیں ہوگا۔ سب چھوڑ کر لکھ دوں گا کہ سب غلط ہے۔ لیکن گفتگو اور دلائل کے بعد ثابت ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا: میں نے ان مسائل پر غور و فکر کیا ہے اور ان کے لیے کوئی حل

بھی عرض کیا حضرت آپ نے اپنی تحریر میں فرمایا تھا ہم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے عدم جواز پر مرتب کر کے وسیع پیمانے پر اس کی تشہیر کی جائے گی۔ آپ نے جب یہ فیصلہ کر لیا ہے تو جو اجتماع بلائیں گے، اس کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک کہ جانبین کے دل کھلے ہوئے نہ ہوں اور ان کے ذہن کھلے ہوئے نہ ہوں کہ جو بھی صورت ہوگی اس کے مطابق عمل ہوگا۔ حضرت نے فرمایا: نہیں! ہمارے اور آپ کے درمیان جو بات تھی وہ ختم ہوگئی لہذا اب ایسا نہیں ہوگا۔ اجتماع کے لیے ضابطہ اخلاق آپ خود تجویز کر لیں۔ جگہ خود تجویز کر لیں۔ لیکن آج کل وہ حضرات جن کو ہم جمع کرنا چاہتے ہیں وہ موجود نہیں ہیں لہذا کچھ عرصے کے بعد ہم خود آپ سے رابطہ کر کے اس اجتماع کا انعقاد کریں گے۔ بات ختم ہوگئی۔ خوشگوار ماحول میں ہوگئی اور ہمیں اطمینان ہوا کہ اب اجتماع ہوگا تو اس میں گفتگو ہو جائے گی۔

یہودیوں کی میرے خلاف مہم:

بعد میں جب کافی دن گزر گئے اور اجتماع نہیں ہوا۔ ہمارے ہاں مختلین کا اجتماع تھا۔ حضرت والا تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجھ سے قاری حنیف جالندھری صاحب نے فرمایا تھا کہ جب حضرت تشریف لائیں گے اس وقت آپ سے رابطہ کر کے اجتماع کے بارے میں کچھ فرمائیں گے۔ جب کافی دن گزر گئے تو میں نے خود حاضر ہو کر حضرت کو یاد دہانی کرائی۔ حضرت سے میں نے عرض کیا اس اجتماع کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟ حضرت نے اس وقت مجھے فرمایا۔ پہلے یہ فرمایا کہ مجھے پتا چلا ہے کہ آج کل یہودی تمہارے خلاف بہت مضمون لکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا: حضرت! ایسا تو ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب میرے خلاف امریکا، برطانیہ کے اخبار اور نیٹ پر مغالطہ گالیاں نہ آتی ہوں اور یہ اس حوالے سے آتی ہیں کہ یہ مالیاتی اداروں کے شریعہ بورڈز کا چیئرمین ہے اور یہ جو کچھ حکم جاری کر دیتا

ہے اس کے مطابق ادارے کام کرتے ہیں۔ ایک واقعہ بیچ میں ہوا تھا کہ کچھ اسلامی بینکوں نے ”صلوک“ جاری کیے تھے۔ ”شہادات الاستثمار“ قسم کی چیز جاری کی تھی۔ وہ میرے نزدیک شرعاً جائز نہیں تھی۔ اس میں بلیز کا کاروبار ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں بیان دیا تھا جو مشرق وسطیٰ میں چھپا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ پچاسی فیصد صلوک کا کاروبار حرام ہے۔ غیر اسلامی ہے۔ اس کے نتیجے میں صلوک کی مارکیٹ میں بہت ہلچل مچ گئی تھی اور اس کے نتیجے میں وہ تقریباً رک گیا۔ تو اس پر یہودی میڈیا نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے بیان کے نتیجے میں اتنی بڑی مارکیٹ ٹھپ ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسا آدمی تم نے بٹھایا ہوا ہے جو مالیاتی اداروں پر حکمرانی کر رہا ہے اور یہ جہادی آدمی ہے۔ اس کا یہ موقف چھپا ہوا ہے کہ جہاد صرف دفاعی نہیں ہوتا بلکہ اقدامی بھی ہوتا ہے اور اقدامی جہاد بھی جائز ہے تو اس قسم کا شخص جو جہادی، تشدد پسند، ٹیرسٹ، دہشت گرد ہے، دینی مدارس سے تعلق رکھنے والا ہے، اس کے ہاتھ میں سارے مالیاتی اداروں کی باگ ڈور دے رکھی ہے اور اس کے نتیجے میں یہ ہو رہا ہے۔ ایسے بیانات روز آ رہے ہیں۔ آج بھی آیا۔ کل بھی آیا۔ تو حضرت کو بھی کسی نے کہیں سے بتا دیا تھا تو فرمایا کہ سنا ہے یہودیوں کے بہت سے مضامین آپ کے خلاف آ رہے ہیں۔ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: وہ تو اس لیے کر رہے ہوں گے کہ اس عمل سے ان کے مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ میں نے کہا: بظاہر یہی وجہ نظر آتی ہے۔

اجتماع کی ضرورت پر میرا زور:

فرمانے لگے: کوئی نظام ایسا ہونا چاہیے لیکن وہ نظام فقہی اشکالات سے خالی ہونا چاہیے۔ میں نے کہا یہ بالکل صحیح بات ہے اور اسی لیے ہم نے سوچا تھا کہ وہ اجتماع ہو جائے اور اس پر گفتگو ہو جائے۔ میں نے کہا اب اس کا طریقہ کیا ہے؟ کیا ہوگا؟ کس طرح ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہماری میٹنگیں ہو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کس کی ہو رہی ہیں؟ تو

انہوں نے نام لیا کہ یہ حضرات جمع ہو رہے ہیں اور فرمایا کہ کل ہم صبح 10 بجے جمع ہوئے تھے اور شام تین بجے تک ہم نے صرف خواندگی کی ہے اور اس میں طے ہوا تھا کہ درمیان میں کوئی بولے گا نہیں بلکہ تحریر کی صرف خواندگی کی جائے گی۔ چنانچہ کل صبح دس بجے سے تین بجے تک اس تحریر کی خواندگی ہوئی ہے لیکن ابھی وہ مکمل نہیں ہے۔ میں نے کہا: حضرت! وہ اجتماع کیسے ہوگا؟ اور وہ تحریر اگر اس طرح تیار ہوگئی ہے تو کیا ہم اسے دیکھیں گے؟ اس پر غور کریں گے؟ فرمایا: میں ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو حضرات تحریر تیار کر رہے ہیں وہی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔ میں نے عرض کیا: طے تو یہ ہوا تھا کہ ہم بیٹھ کر ان اشکالات پر غور کریں گے اور مشورہ کریں گے۔ حضرت نے فرمایا: ان کا کہنا ہے کہ اگر وہ تحریر آپ کے سامنے لائی جائے گی تو آپ کہہ دیں گے کہ یہ بھی ایک رائے ہے اور ہماری بھی ایک رائے ہے۔ ہم غور کریں گے۔ میں نے عرض کیا: حضرت! اجتماع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق دونوں قسم کے احتمال ذہن میں رکھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اشکال ایسا ہو کہ اس کا جواب ہو سکے۔ ہو سکتا ہے وہ اشکال ایسا ہو کہ ہم جو سمجھ رہے تھے وہ غلط ثابت ہو تو ہم اس سے رجوع کر سکیں تو احتمال تو پھر دونوں ہونے چاہئیں۔ فرمانے لگے: بہر حال یہ

فرمانے لگے: فیصلہ تو وہی کریں گے جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: ٹھیک ہے۔ فیصلہ کر لیں لیکن ایک بات مد نظر رہے: ”لا تقض لأحد الخصمین حتی تسمع کلام الآخر“ اس پر حضرت نے فرمایا: نہیں! تمہارا موقف تو کتابوں اور تحریروں میں چھپا ہوا ہے لہذا بس یہ کافی ہے۔ اس پر بات ختم ہو گئی۔

کچھ باتیں متعلقہ فتویٰ کے بارے میں:

اس کے بعد پھر اچانک معلوم ہوا کہ اجتماع ہوا اور اس کے اندر یہ فتویٰ شائع ہوا جو اخبارات میں چھپا۔ تو یہ تھی واقعات کی تفصیل۔ میں نے آپ کے سامنے اس لیے عرض کر دی کہ اس میں طرح طرح کی افواہیں، طرح طرح کی غلط سلط باتیں لوگوں میں مشہور ہو رہی تھیں تو اس لیے اس کی حقیقت میں نے آپ کے سامنے عرض کر دی۔ میں نے پہلے عرض کیا کہ یہ طرز عمل کیسا ہے؟ یہ معاملہ الگ ہے۔ لیکن فی نفسہ معاملہ دین کا ہے لہذا اگر ہمارے طرز عمل میں کوئی بات غلط ہے تو وہ غلط ہے، چاہے کسی کا طرز عمل کیسا بھی ہو؟ اگر کوئی بات صحیح ہے تو صحیح ہے۔ اگر کچھ اشکالات ہیں تو ان پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے۔ چنانچہ جو فتویٰ شائع ہوا اس میں کوئی دلیل نہیں تھی اور نہ ہی عدم جواز کی وجہ بیان کی گئی تھی۔ ہم اس کے انتظار میں رہے کہ جن بنیادوں پر فتویٰ دیا گیا ہے وہ بنیادیں سامنے آئیں۔ وہ اشکالات سامنے آئیں۔ کافی دن تک اس پر کوئی تحریر دلائل کے حوالے سے سامنے نہیں آئی۔ معلوم یہ ہوا تھا کہ یہ تحریر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے کسی مفتی صاحب نے لکھی تھی۔ میں رمضان کے مہینے میں اتفاق سے قریب سے گزر رہا تھا۔ دل میں خیال آیا کہ میں ان کے پاس جا کر درخواست کروں جو تحریر آپ نے تیار کی ہے اس کو لوں اور اس سے استفادہ کروں۔ چنانچہ میں گیا تو دارالافتاء کے جو ذمہ دار حضرات تھے ان سے میں نے درخواست کی..... چونکہ تھے تو اپنے ہی لوگ..... اس لیے میں نے بے تکلفانہ کہا کہ ہم آپ

کے ساتھ بیٹھ کر کسی مسئلے کے سمجھنے اور سمجھانے کے اہل تو ہیں نہیں، لیکن سنا ہے کہ آپ نے کوئی تحریر لکھی ہے۔ اگر آپ ہمیں اس کا اہل سمجھتے ہوں کہ ہم اس کو پڑھ لیں تو وہ تحریر ہمیں عنایت فرمادیں۔ ہم بھی اس سے استفادہ کر لیں۔ یہ میں نے ان سے عرض کیا۔ وہ اس پر حتمی جواب نہ دے سکے۔ غالباً یہ فرمایا تھا کہ ابھی پوری طرح تیار نہیں ہے۔ بعد میں جب تیار ہو جائے گی تو ان شاء اللہ بھیج دیں گے..... لیکن وہ نہیں آئی۔ یہاں تک کہ رمضان بھی گزر گیا۔ شوال کا بھی کافی حصہ گزر گیا۔ پھر مجھے وہ تحریر کسی اور ذریعے سے پہنچی۔ ان کی طرف سے ابھی تک نہیں آئی۔ پتا نہیں یہ وہ تحریر ہے جو مطبوعہ شکل میں شائع ہونے والی ہے یا کوئی اور ہے۔ بہر حال ایک ذریعے سے مجھ تک پہنچی تو میں نے اس کا مطالعہ کیا۔

معاشیات کا موضوع اور میں:

مطالعہ کے بعد آپ سے بغیر کسی تصنع اور تکلف کے عرض کرتا ہوں کہ چونکہ میں اس میدان میں ضرورت کی بنا پر داخل ہوا ہوں۔ درحقیقت یہ میری دلچسپی کا موضوع نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ جیسے کوئی چیز آدمی کی امنگوں کا موضوع ہوتی ہے، دلچسپی کا موضوع ہوتا ہے کہ دن رات آدمی اس کے متعلق سوچتا رہتا ہے۔ اس کو اس میں مزا آتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ میں نے ایک سیمینار میں بات کہی تھی۔ شاید وہ غلط نہیں تھی۔ شاید کیا، یقیناً غلط نہیں ہے۔ میں نے کہا تھا: میں اس میں ایک ضرورت کے تحت داخل ہوا تھا اور وہ ضرورت ایسی ہے جیسے آدمی کو بیت الخلا جانے کی ضرورت ہوتی ہے تو آدمی جاتا ہی ہے لیکن یہ اس کی سوچ کا، اس کی امنگوں کا مرکز نہیں ہوتا کہ بیت الخلا جاؤں گا اور وہاں بیٹھوں گا۔ یہی صورت حال میری اس موضوع سے متعلق بھی ہے۔ معاشیات کا پورا موضوع، میں اس میں محض ضرورتاً داخل ہوا تھا..... یہ میری ذاتی دلچسپی کا موضوع نہیں ہے اور کیونکہ اس میں بے شمار گھائیاں ہیں اور اس کا نظام بڑا پیچیدہ ہے اور اس کے اندر طرح طرح کے مسائل ہیں، اس

واسطے میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہتا ہوں: ”یا اللہ! مجھے اس میں گمراہی کے راستے سے بچائیے گا۔“ لہذا جو تحریریں یا باتیں تنقید کے حوالے سے آتی ہیں، اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں اس کو اس نقطہ نظر سے پڑھتا ہوں کہ اگر واقعاً کوئی غلطی ثابت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ کر دے۔ اس نیت سے میں نے یہ تحریر پڑھی اور پوری پڑھی اور چونکہ اس تحریر کے حوالے سے بہت سی باتیں سامنے آئیں گی اس لیے میں تھوڑا سا اس پر تبصرہ کر دوں۔

کچھ تبصرہ متعلقہ تحریر پر:

یہ تحریر کسی بہت اچھے صاحبِ قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ ان کی مضمون نگاری کا سلیقہ بہت اعلیٰ قسم کا ہے اور انہوں نے اس میں بہت ہی شستگی کے ساتھ یہ کیا ہے کہ شروع میں تحریر کا کافی بڑا حصہ..... یہ تقریباً ڈھائی سو صفحے کی تحریر ہے..... میری عزت افزائی پر مشتمل ہے اور اس میں میرے لیے ایسے ادب و احترام اور تعظیم کا انداز اختیار کیا گیا ہے جس کا میں استحقاق نہیں رکھتا۔ بہت زیادہ عزت افزائی کی ہے..... لیکن ساتھ میں شروع میں موقف یہ اختیار کیا ہے کہ میں نے مختلف تحریروں میں اسلامی بینکاری کے متعلق جو لکھا ہے اور جن قیود و شرائط کے ساتھ مختلف معاملات کو جائز قرار دیا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے۔ بعض جزوی باتوں اور تسامحات کے علاوہ وہ بحیثیت مجموعی درست ہے۔ اگر ان شروط و قیود کو باقاعدہ عمل میں لایا جاتا تو وہ یقیناً درست ہوتا۔ لیکن بینکاروں نے ظلم یہ کیا کہ ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھا اور ان کی بتائی ہوئی قیود و شروط کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے سارا نظام خراب ہو گیا۔ اس طرح انہوں نے تقی عثمانی پر ظلم کیا۔ ظلم یہ کیا کہ ان قیود و شرائط کو مد نظر رکھا نہیں اور اپنے آپ کو اسلامی کہنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے فرمایا: یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ جب مولانا کی بتائی ہوئی قیود و شروط کا لحاظ نہیں رکھا تو ان کو چاہیے تھا کہ بینکوں سے براءت کا اظہار کرتے۔ اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتے۔ اس کا دفع دخل مقدر (یعنی جواب) اس طرح

کیا گیا ہے کہ: مولانا نے باوجود اس کے کہ بینکوں نے قیود و شروط کا لحاظ نہیں رکھا لیکن اپنے ”موروثی تسامح“ کی بنا پر رواداری سے کام لیا۔ اس ”موروثی تسامح“ کی تشریح جو اس تحریر کے صفحہ 19 پر ہے، کچھ یوں ہے: ”یہ انتباہ ضروری ہے کہ جس طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کے نظریہ پاکستان اور آپ کی مہیا کردہ دساتیر اور قراردادیں اخلاص و للہیت سے پُر تھیں۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح ہمارے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب کے اخلاص و للہیت میں کامل اور آپ کے مہیا کردہ نظام کے فی الجملہ قابلِ نفاذ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ہزار ہا افسوس! خانوادہ عثمانی کے ان دونوں آفتاب و مہتاب کے ساتھ ان کے خود غرض غیر مخلص دُنیا دار رفقاء نے ان کے ساتھ نا انصافی کا ایسا معاملہ رکھا جس کی سزا اہلیانِ وطن نجانے کب تک بھگتتے رہیں گے؟“ آگے لکھا ہے کہ جس طرح حضرت علامہ عثمانی مخلص بھی تھے اور مظلوم بھی، اسی طرح یہ بھی مخلص اور مظلوم بھی ہیں۔ پھر ایک حوالہ یہ بھی موجود ہے، اس میں کہ جس طرح حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے جمعیت علمائے اسلام کے جھنڈے کے بارے میں ”جواہر الفقہ“ میں لکھا تھا۔ اس جھنڈے کو علمِ نبوی کہا جا رہا تھا۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا تھا اگرچہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے مشابہ ضرور ہے لیکن اس کو علمِ نبوی سے تعبیر کرنا اور اس کے ذریعے اپنی فوقیت جتلا نا ٹھیک نہیں ہے۔ اس طرح بینکوں کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگانا درست نہیں۔

تقریباً 90 فیصد:

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے حصے میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ بحیثیتِ مجموعی میں نے جو تجویزیں پیش کی تھیں وہ درست تھیں لیکن ان پر عمل نہیں کیا گیا۔ عمل نہ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ کس طرح عمل نہیں ہوا؟ اس کے لیے انہوں نے آگے لکھا ہے ہم نے کوشش کی کسی طرح وہ معاہدات بینکوں سے حاصل کیے جائیں جن کی بنیاد پر معاملات ہوتے ہیں۔ لیکن

وہ ہمیں مہیا نہ ہو سکے۔ وہ معاملات، وہ عقود اور جن کاغذات کی بنیاد پر کارروائی ہوتی ہے ہم باوجود مختلف کوششوں کے حاصل نہ کر سکے۔ اس میں یہ واضح نہیں ہے کہ کیا کوششیں تھیں کاغذات حاصل کرنے کی؟ اگر وہ مجھے ذرا سائیلی فون کر دیتے کہ ہمیں کاغذات درکار ہیں تو اس کے مہیا کرنے میں نہ پہلے کوئی تاہل ہوا ہے نہ آج ہوا ہے۔ جن لوگوں نے چاہا ہے ان کو مہیا کر دیے گئے ہیں۔ پھر ان کاغذات کے مہیا نہ ہونے کی صورت میں ایسا لگتا ہے کہ بعد میں کسی صاحب سے، ڈاکٹر ارشد زمان سے انہوں نے یہ معاہدات حاصل کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ استفتاء بھیجا تھا۔ مجھ سے خود آ کر انہوں نے کہا کہ میزان بینک کے کاغذات کا معاینہ کرنے کے بعد مجھے کچھ اشکالات ہوئے ہیں۔ وہ میں آپ سے اس استفتاء کے ذریعے حل کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت مصروف ہیں۔ آپ کے بیٹے ہیں عمران میاں۔ ان کے سپرد کر دیں۔ میں نے ان کے سپرد کر دیا۔ اب تو میرا حافظہ بہت کمزور ہو گیا ہے۔ مجھے یاد بھی نہیں رہا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ کچھ نشستیں رکھیں۔ ان نشستوں کے نتیجے میں ان کے [مولانا عمران اشرف کے] ذہن پر یہ تاثر رہا کہ گویا وہ معاملات حل ہو گئے ہیں۔ یعنی بات ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ کئی نشستوں میں آئے بھی اور دعوتیں بھی ہوئیں۔ میں نے وہ اشکالات دیکھے بھی نہیں تھے۔ ان کے [مولوی عمران کے] حوالے کر دیے تھے۔ اس کے بعد پھر ان سے کئی کانفرنسوں میں ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان کا یہ تاثر رہا کہ معاملہ حل ہو گیا، بات ختم ہو گئی..... لیکن تحریری جواب واقعتاً نہیں ہوا تھا۔ تو وہ سوال کہیں سے ان کو مل گیا تھا۔ اس کی بنیاد پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ جو معاملات ہو رہے ہیں غلط ہیں۔ اب میں نے جب اس کو پڑھا تو پڑھنے کے نتیجے میں یہ کہنے میں مبالغہ نہیں ہوگا کہ 90 فیصد اعتراضات واقعے کے مطابق نہیں۔ یعنی جس بات پر اعتراض ہے واقعہ اس طرح نہیں ہے۔ 90 فیصد تقریباً۔

مثلاً: یہ لکھا ہے عقدِ مضاربہ کے لیے ضروری ہے کہ تناسب معلوم ہو رب المال کا کیا نفع ہوگا اور مضارب کا کیا ہوگا؟ جبکہ یہ اسے معلوم نہیں ہوتا..... حالانکہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی جزئیات کے بارے میں ایسی باتیں ہیں جو حقیقت کے خلاف ہیں۔ اگر وہ صرف ایک دفعہ بیٹھ کر کاغذات کو صحیح تناظر میں پڑھ لیں یا سمجھ لیں تو وہ اعتراضات دُور ہو جائیں۔ 90 فیصد تقریباً ایسے ہی ہیں۔ اس دوران اتفاق سے یہاں لاہور سے ایک تحریر جو کہ مفتی حمید اللہ جان صاحب کی طرف سے لکھی گئی ہے، مجھے پرسوں ملی۔ مولانا شیر محمد صاحب نے فرمایا کہ اس کو دیکھ لینا۔ میں نے اس کو بھی دیکھ لیا۔ اس میں بھی تقریباً ایسا ہی ہے کہ 80، 90 فیصد معاملات ایسے ہیں جن کی ان کو غلط اطلاع دی گئی ہے۔ اگر ان کی چیکنگ کرنا چاہیں تو آج بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن کچھ اُمور ایسے ہیں کہ ان پر جو تنقید کی گئی ہے، وہ واقع کے مطابق ہے اور ان کا تعلق واقعی فقہی معاملات سے ہے۔ ان کا تھوڑا سا خلاصہ میں آپ حضرات کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔

کیا اسلامی بینکاری محض حیلہ ہے؟

ایک بڑا زبردست اور سب سے زیادہ عام اعتراض یہ ہے کہ اسلامی بینکاری میں جو کچھ ہے وہ سب حیلہ ہے۔ حیلہ سازی کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ سوال کافی حد تک درست بھی ہے اور بعض لحاظ سے غلط بھی ہے۔ بات یہ ہے جو میں پہلے بھی کہتا تھا، اب بھی کہتا ہوں کہ مشکل اس آدمی کے لیے ہے جو اعتدال پر قائم ہو۔ افراط بھی آسان ہے اور تفریط بھی آسان ہے۔ یہ کہہ دینا کہ سب حرام ہے، یہ بھی آسان ہے۔ اور یہ کہہ دینا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سو فیصد درست کر رہے ہیں، اس میں ہمیں کسی اضافے کی ضرورت نہیں، یہ بھی آسان ہے.....

صورتِ حال یہ ہے کہ روزِ اوّل سے، جس دن سے میں نے اس میدان میں قدم

رکھا، اس دن سے آج تک کی میری تحریر اور تقریر میں دو پہلو ساتھ ساتھ مذکور رہے۔ ایک پہلو یہ کہ ایک تو ہیں اسلام کے معاشی نظام کے اعلیٰ مقاصد جن کے ذریعے معاشرے میں معاشی صلاح و فلاح کا دروازہ کھل سکتا ہے اور جن کے ذریعے دُنیا سرِ مایہ داری، کمیونزم اور سوشلزم کے ظالمانہ نظام سے بچ کر انصاف کے نظام کی طرف جاسکتی ہے، اس کے لیے جو چیز سب سے زیادہ مفید ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان بینکوں کا سارا نظام شرکت و مضاربہ کی بنیاد پر قائم ہو اور ان کے سارے معاملات شرکت و مضاربہ کی بنیاد پر ہوں۔ یہ بات ہر فرد کو ہر قدم پر کہتا رہا، البتہ شرکت و مضاربہ سے ہٹ کر کچھ ایسے معاملات بھی ہیں جن سے اگرچہ بہت اعلیٰ مقاصد حاصل نہ ہوں لیکن معاملہ جواز کی حدود میں آ جاتا ہے اور جواز کی حدود میں آ جانا یہ بھی ایک کامیابی ہے۔ اس معنی میں کہ حرام سے بچ کر آدمی ایک جائز معاملے کی طرف آ جائے، چاہے وہ جائز معاملہ اگرچہ اعلیٰ درجے کے اسلامی معاشی مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہو، لیکن جواز کی حد میں آ جائے تو ایک مسلمان کے لیے یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ یہ میں ہمیشہ کہتا آیا ہوں۔ میں جب بینکوں سے مخاطب ہوتا ہوں یا جب میں حکومتوں سے مخاطب ہوتا ہوں تو وہاں میرا زور اس پر ہوتا ہے کہ مراہجہ، اجارہ اور شرکت متناقصہ ان سے نکل کر آپ اعلیٰ مقاصد کی طرف جائیں جو شرکت و مضاربہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جب وہاں میرا خطاب ہوتا ہے تو میں اس پر زور دیتا ہوں، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں دوسرے طریقوں کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ یہ مروجہ طریقے جائز ہیں، لیکن جائز ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ہماری آخری منزل نہیں اور نہ ان سے شرعی معاشی نظام کے پورے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ کچھ اب بھی حاصل ہو رہے ہیں۔ جیسے میں ابھی تھوڑی دیر میں عرض کروں گا، ان شاء اللہ، لیکن بڑے مقاصد وہ شرکت اور مضاربہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ میں ہمیشہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف وہی [شرکت و مضاربت] جائز ہیں۔ باقی سب [مراہجہ، اجارہ وغیرہ] ناجائز ہے۔ میرا مقصد کم از کم یہ نہیں ہے۔ میں دوسرے طریقوں کو بھی حدود و قیود کے ساتھ جائز سمجھتا ہوں اور اس سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ ساری اُمت سود میں بہتی چلی جائے۔ اس کے مقابلے میں اس کو بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں، لیکن ساتھ ساتھ یہ ہے کہ میں ان اعلیٰ مقاصد کی طرف دعوت دیتا رہتا ہوں اور میری کوئی نشست اس سے خالی نہیں ہوتی۔

میری گفتگو کا اصل سیاق:

بسا اوقات مجھ پر مختلف سیمیناروں میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک طرف آپ مراہجہ کو جائز کہتے ہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ اس کو کم کرو اور شرکت کی طرف بڑھو۔ جب جائز ہے تو ساری عمر کرتے رہنے میں کیا حرج ہے؟ تو میں اس کا جواب دیتا تھا کہ بھی دیکھو! کوئی شخص کسی درد اور تکلیف میں مبتلا ہو تو پہلا کام اس کی ابتدائی طبی امداد ہوتی ہے۔ ابتدائی طبی امداد میں پین کلر دی جاتی ہے تاکہ تکلیف کم ہو اور رک جائے۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ پین کلرز سے پورا علاج نہیں ہوتا۔ یہ تو بے کار ہے۔ یہ بھی غلط..... اور کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ ساری عمر پین کلرز ہی کھاتا رہے اور کبھی اصل علاج کی طرف نہ جائے..... تو وہ بھی غلط ہے۔ یہ دونوں انتہائیں غلط ہیں۔ پین کلر کا درجہ پین کلر کا ہے اور اصل علاج کا درجہ اصل علاج کا ہے۔ تو یہ دو باتیں ہیں جو ہمیشہ میں ساتھ ساتھ کہتا رہتا ہوں۔ چونکہ میں ہر جگہ یہ کہتا ہوں تو کچھ احباب کہتے ہیں کہ فلاں مجلس میں اس نے کہا تھا کہ یہ اس پر مطمئن نہیں ہیں اور فلاں مجلس میں کہا تھا کہ یہ مقاصد پورے نہیں کرتے۔ جبکہ اصل جو سیاق ہے میری گفتگو کا وہ یہ ہے۔

مراہجہ کیا ہے؟

اب میں تھوڑی سی تفصیل میں آتا ہوں۔ مراہجہ کیا ہے؟ مراہجہ آپ سب حضرات

جانتے ہی ہیں لہذا اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہوگا۔ ”مرا بچہ مؤجلہ“ یہ ہوتا ہے کہ بینک کے پاس پہلے کوئی شخص پیسے لینے آتا تھا۔ اس کو روٹی خریدنی ہے اور اس کے پاس پیسے ہیں نہیں۔ پیسے لینے آیا تو سودی بینک اس کو پیسے دیتا تھا سود پر۔ اب مرا بچہ مؤجلہ میں یہ کرتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ اس کو روٹی خریدنے کے لیے پیسے قرض دیں اور پھر اس سے سود وصول کریں، یہ کہتے ہیں کہ ہم روٹی خود خرید لیتے ہیں اور خرید کر آپ کو ادھار فروخت کر دیتے ہیں اور مؤجلہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے اوپر نفع کا اضافہ کر لیا جاتا ہے۔ اس کو ”بیع بالآجل“ کہہ لویا مرا بچہ ہے تو ”مرا بچہ مؤجلہ“ کہہ لو۔ اس پر اعتراض یہ ہے جو اس تحریر میں بھی ہے کہ حیلہ کرنے کے لیے مرا بچہ اور مؤجلہ دونوں کو ضم کر دیا گیا ہے اور یہ حیلہ کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان دونوں کو جمع کرنا کوئی مصنوعی کارروائی نہیں ہے۔ مرا بچہ اور مؤجلہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ دو مادے افتراق کے اور ایک مادہ اجتماع کا ہے: (1) ہو سکتا ہے مؤجلہ ہو اور مرا بچہ نہ ہو (2) اور ہو سکتا ہے مرا بچہ ہو مؤجلہ نہ ہو۔ (3) اور ہو سکتا ہے کہ بیع مؤجلہ بھی ہو اور مرا بچہ بھی ہو، لہذا یہ کوئی مصنوعی کارروائی نہیں ہے۔

مرا بچہ مؤجلہ، جواز اور ثبوت:

یہ بات میں عرض کر دوں کہ آپ سب حضرات واقف ہیں کہ بیع مؤجلہ میں قیمت زیادہ کر کے وصول کرنا سب کے نزدیک جائز ہے۔ تمام ائمہ اربعہ کے نزدیک۔ صرف اتنی بات نہیں کہ صرف جائز ہے..... بلکہ میں جس زمانے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ لکھ رہا تھا تو اس وقت الحمد للہ تفاسیر کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت پہلی بار یہ بات سامنے آئی کہ یہ جو قرآن کریم میں فرمایا کہ مشرکین کہتے ہیں: ”إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا“ میرے ذہن میں مدت سے یہ اشکال تھا کہ موقع تو یہ تھا کہ کہا جاتا: ”انما الربوا مثل البيع“ چونکہ وہ

ربا کو جائز قرار دینا چاہتے تھے تو یوں کہتے: ”انما الربا مثل البیع.“ لیکن انہوں نے تو اُلٹا کہا: ”إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا.....“ تو یہ سوال کھٹکتا تھا میرے دل میں کافی دنوں سے۔ جب میں نے تفاسیر کا مطالعہ کیا تو وہاں ایک روایت ملی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے روایت نقل کی ہے جس سے بات واضح ہوئی۔^(۱) انہوں نے کہا کہ اصل میں ان کا یہ جو قول تھا: ”إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا.....“ یہ ایک خاص پس منظر میں تھا۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص بیع کرتا تھا مؤجل..... اور بیع مؤجل میں وہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرتا تھا۔ دس کے بجائے مثلاً پندرہ لیے اجل کی وجہ سے تو اس کو مسلمان جائز کہتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس پر کوئی ممانعت نہ تھی۔ پھر جب وہ وقت پر ادائیگی نہ کرتا تو اس سے کہا جاتا: ”إِمَّا أَنْ تَقْضِيَ وَإِمَّا أَنْ تُرْبِي؟“ (یا پیسے ادا کرو یا قیمت میں اضافہ کرو) تو یہ کیسے ناجائز ہوا؟ ان کا اعتراض یہ تھا کہ جب ہم پہلی بیع کر رہے ہیں اور اس میں اجل کی بنا پر اضافہ کر رہے ہیں، اس کو تو آپ جائز کہتے ہیں اور اس کے بعد اگر وہ مزید اجل مانگے اور ہم اجل کی وجہ سے اضافہ کرتے ہیں تو آپ ناجائز کہتے ہیں۔ درحقیقت بیع سے ان کی مراد بیع مؤجل تھی۔ وہ مؤجل جس میں ثمن کی تاخیر کی وجہ سے اضافہ کر دیا گیا ہو۔ اس لیے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الزام دینے کے لیے کہا آپ ربا کو کیسے حرام کہتے ہیں؟ اگر ربا حرام ہے تو یہ بیع بھی حرام ہے۔ کیونکہ اس بیع میں بھی اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ روایت بتا رہی ہے کہ اجل کی بنا پر قیمت میں اضافہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے چلا آ رہا ہے اور اس زمانے میں مشرکین کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض یہ تھا کہ آپ نے اس بیع کو جائز قرار دیا جس میں اجل کی بنا پر قیمت میں اضافہ کیا گیا تھا تو اس میں اور ربو میں کیا فرق ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ”وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا“ اب اگر ”الْبَيْعُ“ سے مراد پہلی مرتبہ بیع مؤجل ہے تو ”الْمَعْرِفَةُ إِذَا أُعِيدَتْ مَعْرِفَةٌ كَانَتْ الثَّانِيَةِ“

عین الاولیٰ“ کے اصول کی رو سے ”الْبَيْعُ“ کے بعد جب ”أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعُ“ کہا تو وہی بیع مراد ہوگی جس کے لیے دوسرا قول تھا، لہذا اس آیت کے شانِ نزول کے مطابق بیع مؤجل کا جواز اور بیع مؤجل کی صورت میں اس کی قیمت میں اضافے کا جواز خود آیت سے نکلتا ہے۔

مراہمہ مؤجلہ خلافت عثمانیہ میں:

پھر اسلامی تاریخ کی چودہ صدیاں، چودہ سو سال گزرے ہیں، ان میں آج تک ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اس کو ناجائز نہیں کہا۔ اور صرف اتنی بات نہیں۔ جو حضرات فتویٰ سے تعلق رکھتے ہیں انہیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے۔ یہ بات مراہمہ میں نہیں، دوسرے باب میں آئی ہے کہ مراہمہ ایک ایسا عقد تھا جو خلافت عثمانیہ میں بھی جاری و ساری تھا۔ اس درجہ جاری و ساری تھا کہ جب مراہمہ مطلق بولا جاتا تو اس سے مراد ”مراہمہ مؤجلہ“ ہی ہوتا۔ اور مراہمہ بھی وہ ہوتا تھا جس میں ایام کے حساب سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ خلافت عثمانیہ کے حاکم کی طرف سے فرمان جاری ہوتا تھا کہ مراہمہ پر آپ اتنا نفع لے سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں، تا کہ لوگ اس میں بہت زیادہ نفع نہ لیں۔ اس کے لیے باقاعدہ شرح مقرر ہوتی تھی۔ آج مرکزی بینک اس طرح کرتا ہے۔ آپ اس سے زیادہ نہیں لے سکتے۔ آج مرکزی بینک شرح جاری کرتا ہے کہ آپ مراہمہ کے اندر اس سے زیادہ نفع نہیں لے سکتے، پہلے زمانے میں امر سلطانی جاری ہوتا تھا اور وہ امر سلطانی بدلتا رہتا تھا۔ یہ واقعہ ردالمحتار میں ہے۔^(۲) تنقیح الحامد یہ میں ہے۔^(۳) مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے۔ ان سب میں یہ تفصیل موجود ہے کہ احکام سلطانیہ اس طرح جاری ہوتے تھے۔

مراہمہ مؤجلہ اور قلب الدین:

اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ عقد جس کے اندر یہ حکم جاری ہوا ہے کہ

آپ اس سے زیادہ نہیں لے سکتے، یہ درحقیقت ”قلب الدین“ کی ایک شکل ہے۔ ”قلب الدین“ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ذمے آپ کا دین واجب ہے۔ جب ادائی کا وقت آیا اور وہ ادا نہیں کر پاتا تو اس کو کسی اور طریقے سے مہلت دینے کے لیے دین کا ایک نیا عقد کر کے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جس سے دائن کو کچھ اور نفع مل جائے۔ اس کو ”قلب الدین“ کہتے ہیں۔ یہ ”قلب الدین“ بہت سے ائمہ کے نزدیک بالکل ناجائز ہے۔ کسی بھی صورت میں ہو، لیکن ایسا لگتا ہے کہ متاخرین حنفیہ نے ”مراہمہ مؤجلہ“ کو ”قلب دین“ کے لیے بھی جائز قرار دیا اور اس کی تفصیل وہاں پر موجود ہے۔ اہل علم شامیہ دیکھیں گے تو مل جائے گی۔^(۴) حوالہ میرے پاس موجود ہے۔ تو یہاں تک اس پر عمل ہوتا تھا، کیونکہ خلافت عثمانیہ کا دور وہ زمانہ تھا جس میں بڑے بڑے کاروبار شروع ہو گئے تھے۔ زندگی میں تغیر آ رہا تھا۔ پھر اس پر فقہائے متاخرین مثلاً حنفیہ میں سے علامہ شامی نے اس پر کافی تفصیل سے بحث کی ہے کہ امر سلطانی جو جاری ہوا ہے کہ پانچ فیصد سے زیادہ آپ نفع نہیں لے سکتے۔ اگر کسی نے پانچ فیصد سے زیادہ لے لیا تو آیا بیع منعقد ہوگی یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ بیع منعقد ہی نہیں ہوگی کیونکہ امر سلطانی کے خلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ منعقد ہو جائے گی لیکن گناہ ہوگا۔ اس پر بحث کی گئی ہے۔

مراہمہ مؤجلہ میں فقہاء کی غیر معمولی رعایت:

آگے بڑھیے! اس سے بھی آگے فقہاء نے یہ فرمایا کہ بیع مراہمہ کے اندر اگر بالفرض ایک شخص نے طے کیا تھا کہ چھ مہینے کے بعد ادا کروں گا۔ اس نے چھ مہینے کے حساب سے نفع طے کر لیا تھا اور پھر وہ تین مہینے کے بعد رقم لے کر آ گیا۔ اصل وقت سے پہلے آ گیا تو علامہ شامی مفتی بہ قول یہ نقل کرتے ہیں..... ردالمحتار میں بھی^(۵) تنقیح الحامد یہ میں بھی^(۶) کہ اس صورت میں جو قیمت مقرر ہوئی تھی اس میں سے نفع کم کر کے دیا جائے گا بقدر الايام۔ اگر سال بھر کا

مراہمہ تھا اور وہ چھ مہینے بعد پوری قیمت لا رہا ہے تو نفع آدھا کر دیا جائے گا کیونکہ اس عقد کے اندر ”اجل“ عقد کا ایک باقاعدہ حصہ بن گئی ہے۔ ہم بینکوں کو اس پر عمل کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فقہاء یہاں تک پہنچے ہیں۔ تو یہ کہنا کہ مراہمہ مؤجلہ گھڑی ہوئی چیز ہے، بالکل غلط ہے۔ اس کے نظائر موجود ہیں۔ میں ہمیشہ جو کہتا رہا ہوں کہ بینکوں کو اس پر قانع ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ناجائز عقد ہے۔ یہ جائز عقد ہے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا آیات سے لے کر نیچے تک اس کے دلائل موجود ہیں۔

اسلامی بینکاری پر چار فقہی اشکالات

اب ان اعتراضات میں کچھ باتیں ہیں جو واقعتاً فقہی نوعیت کی ہیں اور بہر حال اہل علم کی نظر کی بات ہے اور اس کے اندر دورائیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس میں نیک نیتی سے بحث و مباحثہ بھی ہو سکتا ہے۔

پہلا اشکال..... تصدق کا التزام:

مثلاً: ایک بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ چاہے مراہمہ ہو یا کوئی بھی دین ہو۔ سودی بینک یہ کام کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے وقت پر ادائیگی نہیں کی تو ان کے ہاں تو سود کا میٹر چلتا ہے، لہذا ایک دن ادائیگی نہیں کی تو سود اور بڑھ گیا۔ دو دن نہیں کی تو دو دن کا سود بڑھ گیا۔ تین دن کی نہیں کی تو تین دن کا بڑھ گیا۔ تو نتیجہ یہ کہ وہ لوگ جو وقت پر ادائیگی کرنے کے پابند نہیں ہیں، وہ اس ڈر سے وقت پر ادائیگی کرتے ہیں کہ اگر ادائیگی نہیں کریں گے تو سود بڑھتا چلا جائے گا۔ لیکن مراہمہ کے اندر قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک قیمت متعین ہوگئی تو بس ہوگئی۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ لہذا شروع میں جب مراہمہ کا عمل نیا نیا شروع ہوا اس وقت یہ شرط نہیں تھی کہ وقت پر قسط ادا نہ کی تو کیا ہوگا؟ بس یہ کہا کہ وقت پر ادا

کرو لیکن لوگوں نے اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ فائدہ یہ اٹھایا کہ بڑھنا تو ہے نہیں۔ قیمت تو وہی دینی ہے۔ آج دو، کل دو، پرسوں دو۔ ایک مہینے کے بعد دو۔ قیمت تو بڑھے گی نہیں۔ دو مہینے کے بعد یا دس مہینے کے بعد۔ نتیجہ یہ نکلا کہ غیر معین تاخیر شروع ہو گئی۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت مدت تک پیسے نہ ملے تو اس سے سارا نظام متاثر ہوتا ہے۔ خاص طور پر بینکاری کا جو نظام ہے، اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ پیسہ کسی کاروبار میں لگے۔ اس لیے کہ یہ کسی ایک انسان کا پیسہ نہیں ہوتا بلکہ بہت سے لوگوں کا پیسہ ہوتا ہے۔ وہ کاروبار میں لگے تو منافع حاصل ہو۔ اس غیر معینہ تاخیر کا نقصان بہت ہونے لگا۔ اب کیا کیا جائے؟ علمائے عرب میں سے بعض نے یہ فتویٰ دیا کہ ایسی صورت میں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ شخص تنگ دستی کی وجہ سے تاخیر کر رہا ہے تو اسے مہلت دی جائے: ”وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ، فَنَنْظِرْهُ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ“ لیکن اگر تنگ دستی کی وجہ سے نہیں کر رہا ہے اور غنی ممال ہے، بلا عذر سستی اور ٹال مٹول کر رہا ہے تو اس صورت میں وہ یہ کہتے تھے بینک کو یہ حق حاصل ہے وہ ان کو یہ کہے کہ تمہاری تاخیر کی وجہ سے ہمیں ضرر پہنچا ہے اور ضرر کا ہرجانہ اور معاوضہ تمہیں دینا چاہیے اور وہ ہرجانہ اس طرح متعین کیا کہ اگر کوئی شخص فرض کرو ہمارے اکاؤنٹ میں اتنے پیسے رکھتا، اس پر اگر ہمیں نفع ہوتا تو کتنا نفع ہوتا؟ اتنا تم ہمیں دے دو۔ بعض علماء نے اس کی اجازت دی۔ جس میں شیخ مصطفیٰ الزرقا وغیرہ شامل ہیں۔ ایک محفل تھی جس میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ میں نے اس کے خلاف ایک مضمون لکھا اور اس میں تفصیل سے بتایا کہ یہ جائز نہیں، اس لیے کہ یہ ”إِمَّا أَنْ تَقْضِيَ أَوْ تُرْبِيَ“ کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے..... لیکن یہ سوال اپنی جگہ پر قائم رہا کہ ایسے لوگوں کا کیا کیا جائے؟

مشکل کا ایک ممکنہ حل:

تو اس میں مالکیہ کے ہاں ایک قول نظر آیا۔ وہ یہ ہے کہ اگر کوئی مدیون انشاء عقد کے

وقت میں یہ التزام کر لے کہ اگر میں وقت پر ادائیگی نہ کر سکا تو اتنے پیسے صدقہ کروں گا۔ اس کو دیکھتے تو سب جائز کہتے ہیں، قضاء یہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس میں مالکیہ کے ہاں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ قضاء نافذ نہیں ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ قضاء نافذ ہو جائے گا۔ علامہ خطاب کے قول سے لگتا ہے کہ وہ اس طرف مائل ہیں کہ نافذ ہو جائے گا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس سے مشکل حل ہو سکتی تھی۔ اس سے بینک کی آمدنی میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوا لیکن دینے والے پر ایک دباؤ ضرور پڑ جاتا ہے کہ اگر وقت پر قسط نہ دی تو مجھے یہ صدقہ دینا پڑے گا۔ یہ التزام بالتصدق کی بات ہے۔ ہم یہ مسئلہ اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ متعدد مقام پر زیر بحث آیا۔ اس میں ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ بھی شامل ہے جس کا میں نے شروع میں حوالہ دیا تھا۔ اس وقت جو حضرات جمع ہوئے تھے انہوں نے کہا اس کی گنجائش ہے۔ اس کو اس خرابی کے سد باب کے لیے اختیار کیا جائے۔ ”مجمع الفقہ الاسلامی“ میں زیر بحث آیا۔ انہوں نے بھی اس کی اجازت دی۔ اور بھی مختلف فورموں پر بحث ہوئی، انہوں نے بھی اجازت دی۔ تو یہ ایک مسئلہ ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ جو شخص بھی مراجمہ کر رہا ہوتا ہے وہ اس کا التزام کرتا ہے کہ اگر میں وقت پر ادائیگی نہ کر سکا تو اتنی رقم ادا کروں گا۔ البتہ وہ ادا کرتا ہے یا نہیں؟ یہ کیسے معلوم ہوگا؟ اس کے لیے ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ کے اجلاس میں یہ تجویز دی گئی ہے کہ بینک کے اندر ایک ایسا فنڈ قائم کر دیا جائے جو خالصتاً خیرات میں کام آئے اور اس کا بینک کی آمدنی میں کوئی حصہ نہ ہو تو اس تجویز کے مطابق بیشتر غیر سودی بینکوں میں عمل ہو رہا ہے۔

اب یہ واقعہ کے مطابق ہے کہ بینکوں میں التزام بالتصدق ہوتا ہے لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ صدقہ ایک تطوع ہے۔ اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اور دوسرا یہ کہ بینک ہی کے اندر وہ فنڈ قائم ہے تو بینک کا کیا بھروسہ ہے کہ بینک اس کو صحیح جگہ پر لگائے گا؟ اپنی آمدنی میں استعمال نہیں کرے گا۔ اگرچہ یہ سارا فنڈ شریعہ بورڈ کی نگرانی میں ہوتا ہے اور ان کے کہنے کے مطابق جہاں جہاں خرچ ہو سکتا ہے کیا جاتا ہے، لیکن بہر حال یہ سوال موجود

ہے اور اس پر بعض حضرات نے کہا ہمارے نزدیک یہ درست نہیں۔ البتہ ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ نے اس کو جائز قرار دیا تھا۔

مفتی کو مسائل کی جگہ اُتر کر غور کرنا چاہیے:

بعض حضرات اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ بینک تو روپے میں تیرتے ہیں۔ ان کو کیا ضرورت ہے وہ التزام بالتصدق کروائیں؟ واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ اپنی جگہ پر حقیقی ہے۔ آج کل ہمارے زمانے کے لوگ جس مزاج کے ہیں وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور مسئلہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ بعض حضرات نے جب کسی تحریر میں یہ لکھا دیکھا کہ عملی طور پر یہ بات مشکل ہے یا عملی طور پر اس سے نظام میں مشکلات پیدا ہوں گی، تو ان کی طرف سے یہ جملہ دیکھنے میں آیا: ”یہ کسی بینکر کا نقطہ نظر ہو سکتا ہے کسی عالم کا نہیں۔“ اس کے بارے میں میری عرض یہ ہے کہ مفتی یا عالم یا داعی جب کسی مسئلے پر بات کرے اور اس کا کوئی شرعی حل پیش کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کو وہیں اُتر کر اس مسائل کی جگہ کھڑا ہو کر سوچنا چاہیے کہ آیا میں اس کی جگہ ہوتا تو یہ عملی مسئلہ میرے سامنے ہوتا یا نہ ہوتا؟ آج میں پوچھتا ہوں کہ اگر ہم اربوں روپیہ کسی کو دیتے ہیں اور یہ اندیشہ ہے کہ یہ وقت پر ادائیگی نہیں کرے گا تو کیا ہم اس طرح دینے پر رضا مند ہو جائیں گے؟ ہم چونکہ روپے میں تیر رہے ہیں، لہذا جب چاہے دے دینا۔ ہمیں اس کی پروا نہیں ہے کہ اربوں روپیہ وقت پر دینے کے بجائے چھ مہینے یا اس سے زیادہ کی تاخیر کرو؟ میں سمجھتا ہوں کہ جب کسی مسئلے کا کوئی حل تلاش کیا جائے تو پہلے آدمی اس جگہ اتر کر دیکھے کہ اگر میں سوال پوچھنے والے کی جگہ پر ہوتا تو یہ مسئلہ میرے سامنے آتا یا نہ؟ اس وجہ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ اپنی جگہ واقعاً موجود ہے اور حل طلب ہے۔

خروج عن المذہب کے حوالے سے ایک قابلِ غور نکتہ:

اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ مالکی مذہب سے لیا گیا ہے اور مالکی

مذہب کا بھی مرجوح قول لیا گیا ہے لہذا یہ خروج عن المذہب ہے اور خروج عن المذہب کی شرائط یہاں نہیں پائی جاتیں۔ گزارش یہ ہے کہ یہاں ایک بات قابل نظر ہے۔ یہ محض غور کے لیے پیش کر رہا ہوں کہ ”خروج عن المذہب“ اس کو کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں کوئی مسئلہ مصرح ہو کہ یہ چیز ناجائز ہے اور ہم اس کو چھوڑ کر مالکی یا شافعی مذہب سے مسئلہ لے لیں جب کہ وہاں اس کو جائز کہا گیا ہو۔ یہ خروج عن المذہب ہے اور اس کے لیے شرائط بھی ہیں۔ ان شرائط کے ساتھ خروج عن المذہب بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کا دروازہ بالکل بند ہو۔ شرائط کے ساتھ، حاجات عامہ کے تحت دوسرے مذہب کا قول لیا جاسکتا ہے۔ بہر حال! خروج عن المذہب اس کو کہتے ہیں۔ لیکن ایک مسئلہ اگر حنفی مسلک میں موجود نہیں۔ نہ اجازت نہ تحریم۔ اس صورت میں علامہ شامی کہتے ہیں کہ جب حنفی مسلک میں کسی مسئلے کی تصریح نہ ہو تو کہاں جاؤ؟ مالکیہ کے پاس۔ مالکی فقہ میں تلاش کرو۔ تو اگر ایک مسئلہ ہمارے ہاں نہیں ہے دوسری جگہ ہے۔ اس کے لینے میں ”خروج عن المذہب“ نہیں ہے۔ اس نکتے کی روشنی میں التزام تصدق کا مسئلہ لینا آیا یہ خروج عن المذہب ہے یا نہیں؟ اس کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خروج عن المذہب حاجات عامہ کی وجہ سے ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت گنگوہی سے معاملات کے اندر اس بات کی صریح اجازت لی ہے کہ معاملات میں لوگوں کی آسانی کے لیے ائمہ اربعہ میں سے جہاں بھی توسع ہو اس کو لے لیا جائے۔ ”حضرت گنگوہی سے صریح اجازت لی“..... میں نے یہ الفاظ حضرت والد صاحب سے بعینہ سنے ہیں اور ایک جگہ حضرت والد صاحب نے لکھے بھی ہیں تو اس مسئلہ التزام بالتصدق میں یہ خروج عن المذہب اسی کے تحت آتا ہے۔

دوسرا اشکال..... وعدہ کا لزوم:

دوسرا مسئلہ جو واقعی ہے اور جو فقہی نقطہ نظر سے قابل غور بھی ہے اور یہ اعتراض اس معنی میں درست ہے کہ وہ واقع کے خلاف نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ بینکنگ کے بہت سے معاملات میں یہ کرنا پڑتا ہے، یہ کیا گیا ہے کہ وعدہ کو قضاء لازم کیا گیا ہے۔ یہ بحث بہت لمبی چوڑی ہے کہ وعدے کا ایفا واجب ہے، مستحب ہے یا سنت ہے؟ کیا ہے؟ یہ اختلاف شروع سے چلا آتا ہے لیکن قضاء لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں۔ امام بخاری نے پورا باب قائم کیا ہے اور بہت سے حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ وعدہ لازم ہے۔ قضاء بھی لازم ہے..... لیکن حنفیہ کے ہاں عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ قضاء لازم نہیں ہے..... لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ حنفیہ نے بھی دو جگہ وعدے کو لازم قرار دیا ہے: ایک لحاجات الناس..... ”المواعید قد تكون لازمة لحاجة الناس“ اور یہ بات فرمائی گئی ہے بیع الوفاء کے حوالے سے۔ بیع الوفاء میں اگر وفاء کی شرط صلب عقد میں لگا دی جائے تو عقد فاسد اور ناجائز ہے اور اگر وفا کی شرط صلب عقد میں نہ ہو اور صلب عقد سے ہٹ کر الگ وعدہ کر لیا جائے کہ میں وفا کروں گا تو وہ وعدہ لازم ہے۔ اس سیاق میں فرمایا گیا ہے کہ: ”المواعید قد تكون لازمة لحاجة الناس.“ حنفیہ کا اصل مسلک یہی ہے کہ وعدہ کا ایفا قضاء لازم نہیں ہوتا لیکن بعض جگہوں پر..... ایک تو اس جگہ..... دوسرا اس موقع پر کہا گیا کہ ”إذا اكتست المواعید صورة التعليق كانت لازمة“ وعدے اگر تعلیق کی شکل میں ہوں تو لازم ہو جاتے ہیں۔ بہر حال! بیع بالوفاء سے استدلال کرتے ہوئے یا اس کی بنیاد پر بعض وعدوں کو بینکنگ میں بھی لازم کیا گیا ہے۔

مثلاً اجارہ کا جو عقد ہے جس میں کاریں یا مکانات کرائے پر دیے جاتے ہیں، اس میں یہ ہوتا ہے کہ بینک گاہک کو مطلوبہ چیز خرید کر اجارہ پر دے دیتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک وعدہ ہوتا ہے جو عقد اجارہ کے صلب میں نہیں ہوتا۔ بعد میں ہوتا ہے کہ اگر تم

کرایہ مستقل ادا کرتے رہے دس سال بیس سال تک مثلاً، تو اس عرصے کے بعد ہم آپ کو یہ چیز فروخت کر دیں گے یا ہبہ کر دیں گے۔ دو ہی صورتیں ہوں گی: فروخت یا ہبہ۔ یہ وعدہ ہوتا ہے اور اس وعدے کو قضاء لازم کیا گیا ہے۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ بیس سال تک اجارہ ہے۔ اس کے بعد بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہے کہ یہ اشراط فی العقد ہے کہ اس میں ایسی شرط لگائی جا رہی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لہذا وہ عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں اس تخریج پر جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے..... واللہ اعلم..... کہ بیع الوفاء میں جس طرح ہوتا ہے کہ اگر صلب عقد میں شرط نہ ہو، علیحدہ سے وعدہ کیا گیا ہو، اس کو لازم قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے بیع کو فاسد قرار نہیں دیا گیا تو اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ یہاں بھی گنجائش ہے۔

تو یہ دوسرا مسئلہ تھا کہ وعدوں کو کئی جگہوں پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ یہ واقعی فقہی طور پر قابل غور ہے۔ میں نے اس پر مستقل ایک مقالہ بھی لکھا ہے۔ وعدے کی شرعی حیثیت کے بارے میں۔ وہ چھپا نہیں لیکن اس میں سارے اقوال جمع کیے ہیں شروع سے لے کر آخر تک۔ خلاصہ یہ ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک وعدہ قضاء لازم نہیں ہوتا، لیکن امام ابو بکر بھصا کی احکام القرآن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں قضاء بھی لازم ہوتا ہے۔ اس مقالے میں میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ ویسے تو قضاء لازم نہیں ہوتا۔ البتہ دو صورتوں میں قضاء بھی لازم ہوتا ہے: (1) دونوں فریق اس کے قضاء لزوم پر متفق ہو جائیں۔ (2) یا حکومت یا اولی الامر کی طرف سے یہ قانون آجائے کہ یہ وعدہ لازم ہو گیا۔ بہر حال یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جو اہل فتویٰ کے مزید غور کرنے کے لیے ہے۔

تیسرا اشکال..... فی یوم فی روپیہ کی بنیاد پر نفع کی تقسیم:

تیسری بات جو حقیقی مسئلہ ہے اور وہ واقع کے خلاف نہیں ہے، وہ یہ ہے یہاں بینکوں

کا جو نظام ہے اس میں صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کسی خاص دن میں لوگ پیسہ جمع کریں اور کسی خاص دن ان کے درمیان نفع تقسیم ہو بلکہ رقمیں آرہی ہیں اور جارہی ہیں۔ ایک دن کسی نے پیسے رکھ لیے۔ کل کو اس نے نکلو الیے اور پرسوں اور جمع کر دیے۔ اس طرح کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اب نفع کی تقسیم کا کیا طریقہ ہوگا؟ اس میں ایک صورت وہ ہوتی ہے جس پر بعض حضرات نے اشکال کیا ہے کہ جب آدمی بیچ میں سے اپنے اکاؤنٹ سے پورے کے پورے پیسے نکال لیتا ہے۔ ابھی مدت مضاربت مکمل نہیں ہوئی اور اس نے اکاؤنٹ ختم کر دیا تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟ اور اس وقت اس کو کیا کہا جائے گا؟ ہمارے نزدیک اس کی تخریج یہ ہے کہ جب کوئی شخص بینک سے ساری رقم نکال کر جا رہا ہے تو اپنا حصہ باقی شرکاء کو بیچ کر جا رہا ہے، لہذا اس کے اس شرکت یا مضاربت میں موجود حصے کی جو قیمت ہے اس کو وہ قیمت ادا کی جائے گی اور اپنا حصہ جو وہ بیچ کر جا رہا ہے، اس حصے کی قیمت کی تعیین کے لیے باہمی رضامندی سے فارمولا طے کیا جاسکتا ہے۔ اس میں جو کچھ نفع اس وقت تک تخمیناً متوقع ہو سکتا ہے اس کو قیمت کا جز بنا کر لیا جاسکتا ہے۔ جو آدمی نکل رہا ہے گویا وہ اپنا حصہ بیچ کر جا رہا ہے۔ آپ کو شاید یاد ہو جب الاؤنس موٹرز کا کاروبار چلا تھا تو اس میں یہی تخریج کی گئی تھی کہ اگر کوئی جا رہا ہے تو گویا وہ اپنا حصہ بیچ کر جا رہا ہے۔

لیکن دوسرا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ بینک میں ہر وقت کوئی رقم نکال رہا ہے، کوئی داخل کر رہا ہے۔ ہر روز یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ مدت مضاربت مثال کے طور پر ایک مہینہ ہے تو اس ایک مہینے کے اندر بیچ میں بھی لوگ داخل ہو رہے ہیں۔ نئے آرہے ہیں۔ جو پہلے سے داخل ہیں ان میں سے کچھ پیسے نکال رہے ہیں۔ اس میں شرکت و مضاربت کے اعتبار سے کس طرح نفع تقسیم کیا جائے؟ اس کا ایک طریقہ جو اس وقت متعارف ہے۔ صرف اس جگہ نہیں، بینکوں میں نہیں بلکہ اور جگہ پر بھی ہے، وہ یہ ہے جسے عربی میں کہا جاتا ہے: ”حساب الانتاج الیومی“

(ڈیلی پروڈکٹ پیسز) اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً: ایک مہینے تک یہ دیکھا گیا کہ کتنی رقمیں آئی اور ان پر کتنا منافع ہوا؟ جتنا منافع ہوا اس منافع کو ”نی یوم فی روپیہ“ کے حساب سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی فرض کرو کہ ایک ہزار کا نفع ہوا تو جتنی رقم آئی تھی، ہر روز اس کے ایک روپیہ پر کتنا نفع لگا؟ وہ نفع باہم تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ ہے جس کو ”حساب الانتاج الیومی“ کہتے ہیں۔ اس کو آج کل عربی میں ”حساب الثمر“ اور انگریزی میں ”ڈیلی پروڈکٹ پیسز“ کہتے ہیں۔ یہ طریقے ہیں جن کے ذریعے نفع متعین کیا جاتا ہے۔ یعنی مثلاً یہ طے ہو گیا کہ رب المال کا 70 فیصد ہوگا اور مضارب کا 30 فیصد ہوگا۔ لیکن اصحاب الاموال جو آرہے ہیں وہ ایک وقت میں نہیں آرہے، مختلف اوقات میں آرہے ہیں۔ کوئی آرہا ہے کوئی جا رہا ہے۔ کوئی نکال رہا ہے کوئی جمع کروا رہا ہے۔ اب مہینے کے ختم پر یہ دیکھیں گے کل رقم کتنی رہی؟ درمیان میں کتنی نکالی اور کتنی نہیں؟ اور کتنا داخل کیا اور کتنا بعد میں آیا؟ آخر مہینے میں یہ دیکھیں گے کل رقم کتنی ہوئی اور اس پر نفع کتنا ہوا؟ اس نفع کو تقسیم کریں گے ”نی یوم فی روپیہ“ کے حساب سے۔ کہ ایک روپیہ پر ایک دن میں کتنا نفع ہوا؟ اب جس شخص کی رقم پندرہ دن رہی۔ فرض کرونی یوم ایک روپیہ نفع ہوا تو جس کی رقم پندرہ دن رہی اس کو پندرہ روپے اور جس کی رقم دس دن رہی اس کو دس روپے کا نفع ہوگا۔ یہ ہے مقصد ”حساب الانتاج الیومی“ کا۔ یہ نفع کے تعین کا بالکل نیا طریقہ ہے۔

تقسیم نفع کے اس اصول کے نظائر:

اب اس بنیاد پر نفع کی تقسیم شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یہ واقعاً فقہی مسئلہ ہے۔ میں نے اپنے بعض مقالات میں اس پر بحث کی ہے اور اپنا رجحان یہ ظاہر کیا ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں اس طریقہ کار میں کسی بڑے اصول سے مزاحمت یا مصادمیت نہیں ہوتی اور وجہ یہ ہے کہ میں نے اس کی نظیر پیش کی ہے۔ جب ایک مرتبہ شرکت کا ”وعاء“ قائم ہو جاتا ہے تو اس کے

اندر اب یہ بات زیر بحث نہیں آتی کہ کس روپے پر کتنا نفع ہوا ہے؟ بلکہ سب خلط ہو جاتے ہیں۔ خلط ہو جانے کے بعد آپس میں نفع کی تقسیم کا جو طریقہ بھی طے کر لیں تو بظاہر اس میں کسی شرعی اصول سے مزاحمت نہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ فقہائے کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے شرکت کے لیے عقد شرکت سے شرکت منعقد ہو جاتی ہے، چاہے خلط اموال ابھی تک نہ ہوا ہو۔ اس پر یہ متفرع فرمایا ہے کہ اگر زید اور عمرو دو آدمیوں نے شرکت کا عقد کیا۔ زید نے کہا میں پچاس روپے دوں گا۔ عمرو نے کہا میں پچاس روپے دوں گا..... لیکن عملاً ابھی زید نے دیے نہیں، عمرو نے دے دیے۔ اب عمرو نے اپنے پچاس روپے سے کوئی چیز خرید لی اور اس میں نفع ہو گیا تو فقہاء فرماتے ہیں وہ نفع باہم شریک ہوگا۔ وہ شرکت کا نفع ہوگا۔ اس میں زید بھی شریک ہوگا۔ حالانکہ زید نے ابھی تک ایک پیسہ نہیں دیا لیکن وہ اس میں شریک ہوگا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب ایک مرتبہ عقد شرکت ہو جائے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ طے کیا جائے اس رقم پر کتنا نفع ہوا اور اس رقم پر کتنا نفع ہوا؟ ایک شریک کی رقم نے کیا کمایا اور دوسرے شریک کی رقم نے کیا کمایا؟ بلکہ عقد شرکت کے تحت جتنا بھی نفع ہوتا ہے وہ مشترک ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ ”شرکت اعمال“ کا عقد جس کو ”شرکت تقبل“ بھی کہتے ہیں، اس میں نفع صرف ضمان کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ضمان عمل کی بنیاد پر۔ عمل کیا نہیں کیا۔ اس سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ ضمان عمل لے لیا تو شرکت متحقق ہو گئی۔ عمل نہ کرنے والے کو بھی نفع ملے گا۔ یہ بعینہ مثال نہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ قیاس ہو رہا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ یہ نظائر اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی کے اپنے روپے پر جو نفع ہوا ہو وہ اس کا ہوتا ہے اور دوسرے کے مال پر ہونے والا نفع اس کا نہیں ہوتا۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے..... جب کہ بینکنگ میں ایک ایسا نظام ہے کہ جس میں روپیہ آرہا ہے اور جارہا

ہے..... اس میں اگر اس طریقہ کار کو اختیار کیا جائے تو میں ذاتی طور پر اس کو درست سمجھتا ہوں۔ اس میں کسی واضح اصول کی خلاف ورزی نہیں۔ مثلاً اس میں قطع شرکت نہیں۔ شرکت میں جو تناسب ہوگا وہ اپنی جگہ پر متعین ہے۔ وغیرہ وغیرہ..... اور مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔

شرعی متبادل بتانا سنتِ رسول ﷺ ہے:

البتہ بعض مرتبہ یہ کہا جاتا ہے کہ نفع کی تقسیم کا یہ فارمولا بالکل ایک نئی چیز ہے۔ پہلے سے فقہ اسلامی کے اندر موجود نہیں ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اس کی طرف جائیں؟ اس کو بطور متبادل لانے کی کیا ضرورت ہے؟ متبادل لانا ہماری ذمہ داری نہیں؟ علماء کا کام صرف یہ ہے کہ وہ صرف یہ کہہ دیں حلال ہے یا حرام؟ لہذا متبادل پیش کرنے کے لیے ہم ایسی چیز کیوں لائیں جو فقہ اسلامی میں موجود نہیں ہے اور اس کے لیے کوئی نیا استنباط کرنا پڑے؟ تو میری گزارش ہے کہ متبادل پیش کرنا فقیہ کے لیے اگرچہ واجب نہیں تو کم از کم سنت ضرور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیر کی کھجور کے بارے میں فرمایا کہ ”عین الربا“ تو فوراً ہی فرمایا: ”ولکن بع الجمع بالدرہم، ثم ابتع بالدرہم جنیبا۔“ یعنی متبادل فوراً پیش فرمایا اور متبادل بھی ایسا جس کا نتیجہ بالکل وہی ہے جو پہلی صورت کا تھا۔ وہی بات جس پر عام طور پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ وہی ہو گیا، ناک گھما کر پکڑی، لہذا یہ ناجائز ہونا چاہیے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حرام کہنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ متبادل بھی دیا اور متبادل بھی ایسا تھا جس کے نتیجے میں وہی بات اور وہی نتیجہ حاصل ہو رہا تھا۔ تو یہ کہنا کہ متبادل پیش کرنے کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے، فریضے کی حد تک مجھے نہیں معلوم کہ ہے یا نہیں؟ لیکن سنت ضرور ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے سارے اکابر کا طرزِ عمل یہی رہا ہے کہ حتی الامکان حرام سے بچانے کے لیے متبادل پیش کرنے کی

کوشش کرتے ہیں۔

متبادل تجویز کرنے کا ایک اُصول:

ہاں یہ بحث ہے کہ کیا ہم ہر چیز کا متبادل پیش کرتے رہیں؟ تو میں نے اس پر بھی ”اسلام اور جدید معیشت“ میں بحث کی ہے۔ میں نے اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ ہر چیز کا متبادل پیش کرنا علماء کی ذمہ داری نہیں ہے۔ جو چیز مقاصد شریعت کے خلاف ہے، اس کا متبادل پیش کرنے کی ہمیں کوئی حاجت نہیں۔ کسی کو جوئے کا متبادل چاہیے تو ہم جوئے کا متبادل دینے کے پابند نہیں اور نہ ہی اس کے مکلف ہیں، اس لیے کہ وہ مقاصد شریعت کے خلاف ہے۔ بینکاری کے نظام میں بھی بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو مقاصد شریعت کے خلاف ہیں۔ مثلاً آج کل آپشن، شارٹ سیل وغیرہ چلے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان کا کوئی متبادل دینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایک چیز ایسی ہے جو مقاصد شریعت کے مطابق ہے۔ وہ یہ ہے کہ لوگوں کے پیسے جو انہوں نے بچت کر کے رکھے ہوئے ہیں اپنے گھروں میں یا تجویروں میں یا لاکروں میں۔ وہ بیکار پڑے رہنے کے بجائے ملکی معیشت کی ترقی اور تجارت و صنعت کے فروغ میں کام آئیں۔ یہ بات مقاصد شریعت کے مطابق ہے، اس کے لیے اگر کوئی متبادل پیش کرنے کا موقع ہو تو ضرور پیش کرنا چاہیے اور اُمت کو صریح حرام سے بچانے کے لیے ایسا متبادل راستہ پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے اور ایک طرح سے ہماری ذمہ داری بھی ہے۔ فقیہ صرف فتویٰ دینے والا نہیں ہوتا بلکہ داعی بھی ہوتا ہے اور داعی کا کام صرف اتنا نہیں ہے کہ کسی چیز کو محض حرام کہہ دے۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مقولہ ہے: ”انما العلم عندنا الرخصة من ثقة، أما أن تقول حرام، فيحسنه كل أحد.“ تو اس لیے اگر کوئی متبادل ایسا ہے جس کے اندر کوئی شرعی محظور نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ اسے پیش کرنا مناسب ہے، بلکہ اس دور میں اُمت کو حرام کی طرف جانے

سے بچانے کے لیے ضروری ہے۔

تو یہ چند فقہی مباحث تھے۔ شرعی مسائل تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں تمام مسائل کا احاطہ ممکن نہیں ہے لیکن یہ تین چار بنیادی باتیں تھیں جو ان اعتراضات میں مذکور ہیں جو میرے سامنے آئے ہیں۔ اور بھی بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں۔ ان پر گفتگو بھی ہو سکتی ہے۔ ہر وقت گفتگو کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ہم نے جو کچھ سوچا ہے وہ حرفِ آخر نہیں ہے۔ عقلِ کل ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ جب بھی کوئی ایسی بات آئے جو فقہی اعتبار سے قابلِ غور ہو، قابلِ نظر ثانی ہو، اس کے لیے ہمیشہ الحمد للہ تیار ہیں۔ اس میں ہمیں کوئی تا مل نہیں ہے۔

چوتھا اشکال..... محدود ذمہ داری کا تصور:

میرا خیال ہے اس وقت جتنی باتیں عرض کرنی تھیں، وہ پوری ہو گئیں۔ ہاں! ایک بات اور جس پر بہت زور دیا جاتا ہے وہ لمیٹڈ کمپنی کا مسئلہ ہے۔ اس تحریر کے اندر جس کا میں نے حوالہ دیا، بھی اس بات پر کافی زور دیا گیا ہے۔ بینک چونکہ لمیٹڈ کمپنی کی شکل میں ہوتا ہے، اس لیے یہ کہا جا رہا ہے کہ چونکہ لمیٹڈ کمپنی کا تصور ہی اسلام کے بالکل خلاف ہے، لہذا اس کے تحت جو کچھ بھی ہوگا..... چاہے وہ شرکت و مضاربت ہی کی بنیاد پر ہو اور اس میں مراہکہ وغیرہ کچھ نہ ہو..... تب بھی وہ جائز نہیں۔ آخر میں اس تحریر میں کہا گیا ہے کہ فرض کیجیے ایسا وقت آ بھی جائے جب بینکنگ شرکت مضاربت ہی کی بنیاد پر ہو اور مراہکہ وغیرہ نہ ہو اور اس وقت ہم سے پوچھا جائے تب بھی ہم اس کو جائز نہ کہیں گے۔ اس لیے کہ یہ شرکت لمیٹڈ کمپنی کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔ بینک ایک لمیٹڈ کمپنی ہوتا ہے، لہذا اس کے اندر شرکت و مضاربت کا صحیح تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ میں آپ کے سامنے مختصر عرض کر کے بات ختم کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ آیا لمیٹڈ ہونا یعنی ذمہ داری کا محدود ہونا، یہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ میں نے ”اسلام اور جدید معیشت و تجارت“ میں جب اس پر بحث کی تھی تو

شروع میں ہی لکھ دیا تھا کہ اس میں بعض مسائل ایسے ہیں جو نئے ہیں اور انہیں اہل علم کے غور و فکر کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ میری جس کتاب کا ترجمہ مولانا زاہد صاحب نے کیا ہے [اسلامی بینکاری کی بنیادیں] اس کے شروع میں بھی میں نے لکھا ہے کہ اس کو میری طرف سے حتمی فتویٰ نہ سمجھا جائے۔ میں غور و فکر کے لیے علماء کو پیش کر رہا ہوں کہ آیا محدود ذمہ داری کا تصور شرعاً قابل قبول ہے یا نہیں؟ میں نے چند دلائل ذکر کیے ہیں۔ چند نظائر ذکر کی ہیں اور نظائر کی بنیاد پر شاید جواز کا قول ہو سکے، لیکن حتمی فتویٰ کے طور پر کہیں نہیں ذکر کیا۔

کیا محدود ذمہ داری سے سارا کاروبار ناجائز ہو جائے گا؟

بہر حال یہ الگ مسئلہ ہے کہ محدود ذمہ داری کا تصور شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس پر مزید غور و فکر ہونا چاہیے۔ ابھی مفتی عبدالواحد صاحب کی کتاب آئی ہے۔ مجھے اب تک پوری طرح اس کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ان شاء اللہ میں اس کو دیکھوں گا..... لیکن فرض کیجیے اس محدود ذمہ داری کے تصور کے بارے میں ہم کہہ دیں کہ ناجائز ہے۔ تو جو کمپنی بھی لمیٹڈ ہے اور جو کمپنی بھی محدود ذمہ داری پر قائم ہوتی ہے، کیا اس کا سارا کاروبار ناجائز ہو جائے گا؟ اگر اس کے سارے کاروبار کو ناجائز کہا جائے تو ہم یہ جو کپڑے پہن رہے ہیں یہ بھی حرام ہیں اور یہ جو جوتے پہنتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ جن گاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں وہ بھی حرام..... دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بینک کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک تو بینک کے حصہ دار ہوتے ہیں جو بینک کے مالک ہوتے ہیں۔ محدود ذمہ داری کے تصور کا جو معاملہ ہے وہ صرف ان کی حد تک محدود ہے۔ دوسرا حصہ یہ ہے کہ بینک مضارب کے طور پر کام کرتا ہے۔ آپ اگر ”شخص قانونی“ کا تصور تسلیم نہ کریں تو ان مجموعہ افراد کو [بینک مالکان کو] فرض کر لیں کہ وہ مضارب ہیں۔ ان کا ڈیپازیٹرز کے ساتھ دوسرا تعلق ہوتا ہے۔ ان دونوں کو خلط ملط کر کے یہ کہنا کہ لمیٹڈ کمپنی کا تصور شریعت کے خلاف ہے، لہذا ڈیپازیشن

کے ساتھ شرکت و مضاربہ بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ میری نظر میں خلطِ محبت ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس پر مزید غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ محدود ذمہ داری کا تصور کس حد تک ہے؟ قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ اگر ناقابلِ قبول ہے تو کمپنی کے معاملات پر، اس کی پیداوار پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ یہ ایک مسئلہ ہے جس پر غور کرتے رہنا چاہیے۔ اہلِ افتاء کو اس میں مزید اپنا کردار ادا کرنا چاہیے..... لیکن یہ تصور کہ بینک چونکہ لمیٹڈ کمپنی ہے لہذا اس کا کوئی کام بھی شریعت کے مطابق نہیں ہو سکتا، یہ میری نظر میں درست نہیں ہے۔ بس اس وقت اتنی بات عرض کرنی تھی۔ موضوع بہت طویل ہے۔ اس میں بہت سی شاخیں ہیں۔ بہت سے مسائل ہیں۔ میں نے اس وقت ایک خلاصہ عرض کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق پہچاننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حوالہ جات

(۱)

قوله تعالى: "ذَلِكَ بَانَهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا" وَبِهِ عَنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، "فِي قَوْلِ اللَّهِ: "ذَلِكَ بَانَهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا" فَهُوَ الرَّجُلُ إِذَا حَلَّ مَالَهُ عَلَى صَاحِبِهِ، فَيَقُولُ الْمَطْلُوبُ لِلطَّالِبِ: "زِدْنِي فِي الْأَجَلِ، وَأَزِيدَكَ عَلَى مَالِكَ" فَإِذَا فُعِلَ ذَلِكَ قِيلَ لَهُمْ: هَذَا رِبَا، قَالُوا: سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَنْ زِدْنَا فِي أَوَّلِ الْبَيْعِ، أَوْ عِنْدَ مَحَلِّ الْمَالِ، فَهُمَا سَوَاءٌ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ: "قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا" لِقَوْلِهِمْ: إِنْ زِدْنَا فِي أَوَّلِ الْبَيْعِ أَوْ عِنْدَ مَحَلِّ الْمَالِ، فَهُمَا سَوَاءٌ."

قوله تعالى: "وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" وَبِهِ عَنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: "فَأَكْذَبَهُمُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَهُوَ أَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ: سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَنْ زِدْنَا فِي أَوَّلِ الْبَيْعِ أَوْ عِنْدَ مَحَلِّ الْمَالِ، فَقَالَ: "وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا." (تفسير ابن أبي حاتم: ٥٤٥/٢)

(۲)

قال في رد المحتار:

"(قَوْلُهُ يُعْزَرُ) لِأَنَّ طَاعَةَ أَمْرِ السُّلْطَانِ بِمُبَاحٍ وَاجِبَةٌ (قَوْلُهُ مَا أَخَذَهُ مِنَ الرِّبْحِ) أَيُّ زَائِدًا عَمَّا وَرَدَ بِهِ الْأَمْرُ ط (قَوْلُهُ إِنْ حَصَلَتْ مِنْهُ بِالْتَّرَاضَى إلخ) مَفْهُومَةٌ: أَنَّهُ لَوْ أَخَذَهُ بِلَا رِضَاهُ أَنَّهُ يَثْبُتُ لَهُ الرُّجُوعُ بِالزَّائِدِ عَمَّا وَرَدَ بِهِ الْأَمْرُ، وَهُوَ غَيْرُ ظَاهِرٍ، لِأَنَّهُ إِذَا أَقْرَضَهُ مِائَةً

وَبَاعَهُ سِلْعَةً بِثَلَاثِينَ مِثْلًا بَيْعًا مُسْتَوْفِيًا شَرِئَتْهُ الشَّرْعِيَّةُ لَمْ يَكُنْ فِيهِ
إِلَّا مُخَالَفَتُهُ الْأَمْرِ السُّلْطَانِيِّ ، لِأَنَّ مُقْتَضَى الْأَمْرِ الْأَوَّلِ أَنْ يَبِيعَ
السِّلْعَةَ بِخُمْسَةٍ فَقَطْ ، لِتَكُونَ الْعَشْرَةُ بِعَشْرَةٍ وَنِصْفٍ ، وَمُقْتَضَى
الْأَمْرِ الثَّانِي أَنْ يَبِيعَهَا بِخُمْسَةِ عَشَرَ ، لِتَكُونَ الْعَشْرَةُ بِأَحَدٍ عَشْرَةٍ
وَنِصْفٍ ، وَلَا يَخْفَى أَنَّ مُخَالَفَةَ الْأَمْرِ لَا تَقْتَضِي فُسَادَ الْبَيْعِ ، لِأَنَّ
ذَلِكَ لَا يَزِيدُ عَلَى مُخَالَفَةِ أَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى بِالسَّعْيِ وَتَرْكِ الْبَيْعِ
وَقَتَّ النَّدَاءِ ، فَإِذَا بَاعَ وَتَرَكَ السَّعْيَ يُكْرَهُ الْبَيْعُ ، وَلَا يَفْسُدُ ، فَكَذَا
هُنَا بِالْأَوَّلَى . عَلَى أَنَّهُ إِذَا فَسَدَ الْبَيْعُ وَجَبَ الْفُسْخُ وَرُدَّ جَمِيعُ
الشَّمَنِ ، وَإِذَا صَحَّ وَجَبَ جَمِيعُ الشَّمَنِ ، فَلَا وَجْهَ لِرَدِّ الزَّائِدِ وَأَخَذَ مَا
وَرَدَ بِهِ الْأَمْرُ فَقَطْ ، سَوَاءٌ قُلْنَا بِصِحَّةِ الْبَيْعِ أَوْ فُسَادِهِ فَتَعَيَّنَ أَنَّ هَذَا
الْمَفْهُومَ غَيْرُ مُرَادٍ فَتَأَمَّلْ .

(قَوْلُهُ لَكِنْ يَظْهَرُ الْخُ) لَا وَجْهَ لِلاِسْتِدْرَاكِ بَعْدَ وُرُودِ الْأَمْرِ الْوَاجِبِ
الِاتِّبَاعِ بِعَدَمِ الرُّجُوعِ ط وَقَدْ يُجَابُ بِأَنَّ الْمُرَادَ أَنَّ الْمُنَاسِبَ أَنْ يَرُدَّ
الْأَمْرُ السُّلْطَانِيُّ بِالرُّجُوعِ : أَيْ وَإِنْ أَخَذَ مَا أَخَذَهُ بِالتَّرَاضِي لَكِنْ
عَلِمْتُ مَا فِيهِ (قَوْلُهُ وَأَقْبَحُ مِنْ ذَلِكَ السَّلْمُ الْخُ) أَيْ أَقْبَحُ مِنْ بَيْعِ
الْمُعَامَلَةِ الْمَذْكُورَةِ مَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ النَّاسِ مِنْ دَفْعِ دَرَاهِمَ سَلَمًا عَلَى
حِنْطَةٍ أَوْ نَحْوِهَا إِلَى أَهْلِ الْقَرْيِ ، بِحَيْثُ يُودَى ذَلِكَ إِلَى خَرَابِ
الْقَرْيَةِ ، لِأَنَّهُ يَجْعَلُ الشَّمْنَ قَلِيلًا جَدًّا ، فَيَكُونُ إِضْرَارُهُ أَكْثَرَ مِنْ إِضْرَارِ
الْبَيْعِ بِالْمُعَامَلَةِ الرَّائِدَةِ عَنِ الْأَمْرِ السُّلْطَانِيِّ ، فَيَظْهَرُ أَنَّ الْمُنَاسِبَ أَيْضًا
وُرُودُ أَمْرِ سُلْطَانِيٍّ بِذَلِكَ لِيُعْزَرَ مَنْ يُخَالَفُهُ . وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَمْ يَرُدَّ

بَذَلِكْ أَمْرٌ. وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ. (۵/۱۶۷ طبع کراتشی)

(۳)

فی الفتاوی الحامدیہ:

”رَجُلٌ لَهُ عَلَى رَجُلٍ عَشْرَةٌ دَرَاهِمٌ، فَأَرَادَ أَنْ يَجْعَلَهَا ثَلَاثَةَ عَشَرَ إِلَى أَجَلٍ، قَالُوا: يَشْتَرِي مِنَ الْمَدْيُونِ شَيْئًا بِتِلْكَ الْعَشْرَةِ. وَيَقْبِضُ الْمَبِيعَ. ثُمَّ يَبِيعُهُ مِنَ الْمَدْيُونِ بِثَلَاثَةِ عَشَرَ إِلَى سَنَةٍ فَيَقَعُ التَّحَرُّزُ عَنْ الْحَرَامِ. قَاضِي خَانٍ مِنْ فَصْلِ فِيمَا يَكُونُ فِرَارًا عَنِ الرَّبَا مِنْ كِتَابِ الْبُيُوعِ، وَفِيهِ حِيلٌ أُخْرَى فَرَّاجِعُهَا.

(أَقُولُ) مُقْتَضَاهُ أَنَّهُ يَصِحُّ أَنْ يَحْتَالَ لِجَعْلِ الْعَشْرَةِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ. وَفِي الدُّرِّ الْمُخْتَارِ فِي آخِرِ بَابِ الْقَرْضِ مَا نَصَّهُ: ”قُلْتُ: وَفِي مَعْرُوضَاتِ الْمُقْتَبِ أَبِي السُّعُودِ: وَلَوْ آذَانَ زَيْدٍ الْعَشْرَةُ بِائِنِي عَشَرَ أَوْ بِثَلَاثَةِ عَشَرَ بِطَرِيقِ الْمُعَامَلَةِ فِي زَمَانِنَا بَعْدَ أَنْ وَرَدَ الْأَمْرُ السُّلْطَانِي وَفَتَوَى شَيْخُ الْإِسْلَامِ بِأَنْ لَا تُعْطَى الْعَشْرَةُ بِزَيْدٍ مِنْ عَشْرَةٍ وَنِصْفٍ، وَبَنَى عَلَى ذَلِكَ فَلَمْ يَمْتَثِلْ، مَاذَا يَلْزُمُهُ؟ فَأَجَابَ: ”يُعْزَرُ وَيُحْبَسُ إِلَى أَنْ تَظْهَرَ تَوْبَتُهُ وَصَلَاحُهُ، فَيُتْرَكَ.“

وَفِي هَذِهِ الصُّورَةِ هَلْ يَرُدُّ مَا أَخَذَهُ مِنَ الرَّيْحِ لِصَاحِبِهِ؟ فَأَجَابَ: ”إِنْ حَصَلَهُ مِنْهُ بِالتَّرَاضِي وَرَدَ الْأَمْرُ بِعَدَمِ الرُّجُوعِ، لَكِنْ يَظْهَرُ أَنَّ الْمُنَاسِبَ الْأَمْرُ بِالرُّجُوعِ.“

فَقَدْ أَفَادَ وَرُودُ الْأَمْرِ السُّلْطَانِي وَالْإِفْتَاءَ بِنَاءً عَلَيْهِ بِأَنْ لَا تُعْطَى

الْعَشْرَةَ بِأَكْثَرِ مِنْ عَشْرَةٍ وَنِصْفٍ، وَرَأَيْتُ بِحِطِّ شَيْخِ مَشَايِخِنَا
 السَّائِحَانِي: بَأَنَّ هُنَاكَ فِتْوَى أُخْرَى بِأَنَّ لَا تُعْطَى الْعَشْرَةُ بِأَكْثَرِ مِنْ
 إِحْدَى عَشْرَةٍ وَنِصْفٍ، وَعَلَيْهَا الْعَمَلُ اهـ وَكَانَهُ وَرَدَ أَمْرٌ آخَرُ بِذَلِكَ
 بَعْدَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ، لَكِنْ قَدَّمْنَا فِي كِتَابِ الدَّعْوَى عَنِ الْفِتَاوَى الْخَيْرِيَّةِ:
 أَنَّ أَمْرَ السُّلْطَانِ نَصْرَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا يَبْقَى بَعْدَ مَوْتِهِ. وَقَدَّمْنَا تَحْقِيقَ
 الْمَسْأَلَةِ ثَمَّةً فَرَاغَهُ، وَعَلَى فَرَضِ بَقَاءِ حُكْمِ أَمْرِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَى الْآنَ
 أَوْ وُرُودِ أَمْرٍ جَدِيدٍ بِذَلِكَ مِنْ سُلْطَانٍ زَمَانًا أَيَّدَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِنَصْرِهِ،
 فَإِنَّمَا يُحْبَسُ الْمُخَالَفُ وَيُعْزَرُ؛ لِمُخَالَفَتِهِ الْأَمْرَ السُّلْطَانِيَّ لَا لِفَسَادِ
 الْمُبَايَعَةِ، فَإِنَّهُ لَوْ أَقْرَضَ مِائَةَ دِرْهَمٍ مِثْلًا وَبَاعَ مِنَ الْمُسْتَقْرِضِ سِلْعَةً
 بَعِشْرِينَ دِرْهَمًا بِعَقْدٍ شَرْعِيٍّ صَحَّ الْبَيْعُ، وَإِنْ كَانَتْ تِلْكَ السِّلْعَةُ
 تُسَاوِي دِرْهَمًا وَاحِدًا؛ لِأَنَّ النَّهْيَ السُّلْطَانِيَّ لَا يَقْتَضِي فِسَادَ الْعَقْدِ
 الْمَذْكُورِ: أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَصِحُّ عَقْدُ الْبَيْعِ بَعْدَ النَّدَاءِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَعَ
 وُرُودِ النَّهْيِ الْإِلَهِيِّ، وَإِنْ أَتَمَّ، وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِأَنَّ النَّهْيَ لَا يَقْتَضِي
 الْفِسَادَ كَالصَّلَاةِ فِي الْأَرْضِ الْمَغْصُوبَةِ تَصِحُّ مَعَ الْإِثْمِ، كَمَا تَقَرَّرَ فِي
 كُتُبِ الْأُصُولِ. إِذَا عَلِمْتُ ذَلِكَ فَقَوْلُ الْمُفْتِي أَبِي الشُّعُودِ "إِنْ
 حَصَلَهُ مِنْهُ بِالتَّرَاضِي وَرَدَ الْأَمْرُ بَعْدَ الرُّجُوعِ" يُفِيدُ أَنَّ مَا حَصَلَهُ
 الْمُقْرِضُ مِنْ ثَمَنِ السِّلْعَةِ زَائِدًا عَلَى عَشْرَةٍ وَنِصْفٍ بِلَا رِضَا
 الْمُسْتَقْرِضِ يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْمُقْرِضِ، وَهُوَ مُشْكِلٌ وَقَوْلُهُ: "لَكِنْ يَظْهَرُ
 أَنَّ الْمُنَاسِبَ الْأَمْرُ بِالرُّجُوعِ" أَيُّ وَإِنْ كَانَ ذَلِكَ بِالتَّرَاضِي أَشَدَّ
 إِشْكَالًا لِمَا عَلِمْتُ، فَإِنَّ بَيْعَ السِّلْعَةِ إِنْ كَانَ صَحِيحًا يَسْتَحِقُّ جَمِيعَ

الثَّمَنِ، إِلَّا لَمْ يَسْتَحِقَّ شَيْئًا فَتَأَمَّلْ ذَلِكَ، فَإِنِّي لَمْ أَجِدْ لَهُ جَوَابًا شَافِيًا،
وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ. “ (۲/۲۴۵)

(۴)

قال فی الدر المختار:

قُلْتُ: وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْكِتَابِ أَنَّهُ لَوْ حَلَّ لِمَوْتِهِ أَوْ آدَاهُ قَبْلَ حُلُولِهِ
لَيْسَ لَهُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ وَهُوَ جَوَابُ
الْمُتَأَخِّرِينَ.

وفی رد المحتار:

” (قَوْلُهُ: وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْكِتَابِ) أَيْ قُبِيلَ كِتَابِ الْفَرَائِضِ، وَهَذَا
مَأْخُودٌ مِنَ الْقُنْيَةِ حَيْثُ قَالَ فِيهَا بِرُمَزِ نَجْمِ الدِّينِ: قَضَى الْمَذْيُونُ
الدِّينَ قَبْلَ الْحُلُولِ أَوْ مَاتَ فَأَخَذَ مِنْ تَرَكَتِهِ، فَجَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ: أَنَّهُ
لَا يَأْخُذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ.
قِيلَ لَهُ: أَتَفْتِي بِهِ أَيْضًا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ: وَلَوْ أَخَذَ الْمُقْرِضُ الْقَرْضَ
وَالْمُرَابَحَةَ قَبْلَ مَضِيِّ الْأَجَلِ فَلِلْمَذْيُونِ أَنْ يَرْجِعَ بِحِصَّةِ مَا بَقِيَ مِنَ
الْأَيَّامِ اهـ.

وَذَكَرَ الشَّارِحُ آخِرَ الْكِتَابِ: أَنَّهُ أَفْتَى بِهِ الْمَرْحُومُ مُفْتَى الرُّومِ أَبُو
السُّعُودِ، وَعَلَّلَهُ بِالرَّفْقِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ.

قُلْتُ: وَبِهِ أَفْتَى الْحَانَوِيُّ وَغَيْرُهُ. وَفِي الْفَتَاوَى الْحَامِدِيَّةِ: سُئِلَ فِيمَا
إِذَا كَانَ لِزَيْدٍ بِذِمَّةِ عَمْرٍو مَبْلَغٌ دَيْنٌ مَعْلُومٌ فَرَابَحَهُ عَلَيْهِ إِلَى سَنَةٍ، ثُمَّ

بَعْدَ ذَلِكَ بَعْشَرِينَ يَوْمًا مَاتَ عَمْرُو الْمَدْيُونُ، فَحَلَ الدَّيْنُ وَدَفَعَهُ الْوَارِثُ لَزَيْدٍ، فَهَلْ يُؤْخَذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ شَيْءٌ أَوْ لَا؟ الْجَوَابُ جَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ: أَنَّهُ لَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ الْمُبَايَعَةُ عَلَيْهَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ. قِيلَ لِلْعَلَّامَةِ نَجْمِ الدِّينِ: أَتَفْتِي بِهِ؟ قَالَ: نَعَمْ! كَذَا فِي الْأَنْقُرَوِيِّ وَالتَّنْوِيرِ، وَافْتَى بِهِ عَلَّامَةُ الرُّومِ مَوْلَانَا أَبُو السُّعُودِ وَفِي هَذِهِ الصُّورَةِ بَعْدَ أَدَاءِ الدَّيْنِ دُونَ الْمُرَابَحَةِ إِذَا ظَنَنْتَ الْوَرِثَةَ أَنَّ الْمُرَابَحَةَ تَلْزَمُهُمْ، فَرَابَحُوهُ عَلَيْهَا عِدَّةَ سِنِينَ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْمُرَابَحَةَ تَلْزَمُهُمْ حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَالٌ، فَهَلْ يَلْزَمُهُمُ الْمَالُ أَوْ لَا؟ الْجَوَابُ: لَا يَلْزَمُهُمْ؛ لِمَا فِي الْقُنْيَةِ بِرَمْزِ بَكْرِ خَوَاهِرِ زَادَهُ كَانَ يُطَالِبُ الْكَفِيلَ بِالَدَّيْنِ بَعْدَ أَخْذِهِ مِنَ الْأَصِيلِ، وَيَبِيعُهُ بِالْمُرَابَحَةِ، حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ سَبْعُونَ دِينَارًا، ثُمَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ قَدْ أَخْذَهُ فَلَا شَيْءَ لَهُ؛ لِأَنَّ الْمُبَايَعَةَ بِنَاءً عَلَى قِيَامِ الدَّيْنِ وَلَمْ يَكُنْ أَهَـ. هَذَا مَا ظَهَرَ لَنَا، وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ أَهَـ “ (٥ / ١٦٠، طبع كراتشي)

(٥)

فی رد المحتار:

”قَضَى الْمَدْيُونُ الدَّيْنَ الْمُؤَجَّلَ قَبْلَ الْحُلُولِ أَوْ مَاتَ فَحَلَ بِمَوْتِهِ (فَأَخَذَ مِنْ تَرِكَتِهِ، لَا يَأْخُذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمَا، إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ. وَهُوَ جَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ) قُنْيَةُ وَبِهِ أَفْتَى الْمَرْحُومُ أَبُو السُّعُودِ أَفْنَدَى مُفْتَى الرُّومِ، وَعَلَّلَهُ بِالرَّفْقِ لِلْجَانِبَيْنِ، وَقَدْ قَدَّمْتُهُ قَبْلَ فَصْلِ الْقَرْضِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.“ (٦ / ٧٥٧)

(۶)

فی الفتاوی الحامدیہ:

” (سُئِلَ) فِيمَا إِذَا كَانَ لِزَيْدٍ بِذِمَّةٍ عَمْرٍو مَبْلَغٌ دَيْنٍ مَعْلُومٌ مِنَ الدَّرَاهِمِ، فَرَابَحَهُ عَلَيْهَا إِلَى سَنَةٍ، ثُمَّ بَعْدَ مَا رَابَحَهُ بِعِشْرِينَ يَوْمًا مَاتَ عَمْرٍو الْمَدْيُونُ، فَحَلَّ الدَّيْنُ وَدَفَعَهُ الْوَرِثَةُ لِزَيْدٍ. فَهَلْ يُؤْخَذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ شَيْءٌ أَوْ لَا؟ (الْجَوَابُ): قَالَ فِي الْقُنْيَةِ: جَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ أَنَّهُ لَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ الْمُبَايَعَةُ عَلَيْهَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ. قِيلَ لَهُ: أَتُفْتَى بِهَذَا؟ قَالَ نَعَمْ! كَذَا فِي الْأَنْقَرُويِّ وَالتَّنَوِيرِ آخِرَ الْكِتَابِ. وَافْتَى بِهِ عَلَّامَةُ الرُّومِ مَوْلَانَا أَبُو السُّعُودِ وَالْحَانُوتِيُّ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ.

وَفِي هَذِهِ الصُّورَةِ بَعْدَ آدَاءِ الدَّيْنِ دُونَ الْمُرَابَحَةِ إِذَا ظَنَّتِ الْوَرِثَةُ أَنَّ الْمُرَابَحَةَ تَلْزَمُهُمْ فَرَابَحُوهُ عَلَيْهَا عِدَّةَ سِنِينَ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْمُرَابَحَةَ تَلْزَمُهُمْ حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَالٌ، فَهَلْ يَلْزَمُهُمْ ذَلِكَ الْمَالُ أَوْ لَا؟ الْجَوَابُ: حَيْثُ ظَنُّوا أَنَّ الْمُرَابَحَةَ تَلْزَمُهُمْ وَأَنَّهَا دَيْنٌ بَاقٍ فِي تَرَكَةِ مُورَثِهِمْ ثُمَّ بَانَ خِلَافُهُ، فَلَا يَلْزَمُهُمْ مَا رَبِحُوا بِهِ فِي مُقَابَلَةِ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي لَا تَلْزَمُهُمْ عَلَى قَوْلِ الْمُتَأَخِّرِينَ؛ لِأَنَّ الْمُرَابَحَةَ بِنَاءً عَلَى قِيَامِ دَيْنِ الْمُرَابَحَةِ السَّابِقَةِ الَّتِي عَلَى مُورَثِهِمْ، وَلَمْ يَوْجَدْ. وَهَذَا فِي الزَّائِدِ عَلَى قَدْرِ مَا مَضَى. وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ نَظِيرُ مَا فِي الْقُنْيَةِ، قَالَ بَرْمَزِيخُ لِبَكْرِ خَوَاهِرُ زَادَهُ: كَانَ يُطَالَبَ الْكَفِيلُ بِالْدَّيْنِ بَعْدَ أَخْذِهِ مِنَ الْأَصِيلِ وَيَبِيعُهُ بِالْمُرَابَحَةِ شَيْئًا حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ سِتُونَ دِينَارًا، ثُمَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ قَدْ

أَخَذَهُ، فَلَا شَيْءَ لَهُ؛ لِأَنَّ الْمُبَايَعَةَ بِنَاءٌ عَلَى قِيَامِ الدِّينِ وَلَمْ يَكُنْ أَهْلًا
هَذَا مَا ظَهَرَ لَنَا، وَاللَّهُ تَعَالَى الْمُؤَفَّقُ.“ (۲ / ۲۴۵)

سوالات و جوابات



حضرت کی تقریر کے بعد حاضرین کے سوالات اور ان کے جوابات

سوال: حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے آپ کو جو خط دیا

تھا اس میں انہوں نے آپ سے کیا فرمایا تھا؟

جواب: میں نے خلاصہ بتا دیا۔ بھائی صاحب فرما رہے ہیں کہ تحریر جو مولانا سلیم

اللہ خان صاحب نے دی تھی وہ بھی سنادوں اور میں نے جو جواب دیا تھا وہ بھی سنادوں۔

میں سنا دیتا ہوں آپ کو۔ حضرت نے جو مجھے تحریر سنائی تھی اور دی بھی تھی وہ یہ ہے:

حضرت شیخ الحدیث، رئیس الوفاق دامت برکاتہم العالیہ کا خط

بسم الله الرحمن الرحيم.

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، وبعد.

احقر کو علم و فضل کے اعتبار سے جناب سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ علم و فضل ہے ہی نہیں تو

نسبت کیا ہوگی؟ البتہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان نصیب فرما رکھا ہے۔ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ اسی زندگی، ایمان والی زندگی اور کلمہ والی موت پر خاتمہ فرمالے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کے

لیے اس دُعا کو قبول فرمائے۔ یہ دُعا حضرت نے فرمائی اور سب حاضرین نے اس پر آمین کہا۔)

(1) اسلامی بینکاری کے حوالے سے تشویش و اضطراب عام ہے۔ علماء و عوام، بینکنگ

سے متعلق افراد، تاجر وغیرہ سب موجودہ اسلامی بینکاری کو اسلامی تعلیمات کے

خلاف سمجھتے ہیں۔

(2) جتنے معتبر اور معروف دارالافتاء ہیں سب میں اس سلسلے کے استفتاء ہوتے ہیں اور جواز و عدم جواز کے متعلق سوالات کیے جاتے ہیں۔

(3) پاکستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ اضطراب موجود ہے وہ بھی سوالات کرتے ہیں۔

(4) اس صورتِ حال سے دوسروں کی بہ نسبت جناب کو زیادہ سابقہ رہتا ہوگا کیونکہ آپ ہی پاکستان میں اس کے موجد ہیں۔

(5) علم و فضل کے اعتبار سے آپ کا جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں لیکن عصمت حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا کوئی معصوم نہیں۔ اس کا امکان بہر حال موجود ہے کہ اسلامی بینکاری کا نظام جاری کرنے میں آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ 1، 2 اور 3 میں جو اوپر باتیں کہی گئی ہیں، اس غلطی کے ارتکاب کے لیے واضح دلیل ہیں۔ اضطراب غلطی پر ہی ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا اضطراب جس نے تمام طبقات کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ صحیح بات پر اضطراب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی معاند معترض ہوتا ہے تو اس کی وجہ عناد ہوتی ہے جبکہ موجودہ صورت میں اُمت کے تمام طبقات اس اسلامی بینکاری پر تشویش و اضطراب میں مبتلا ہیں۔ یہاں عناد کا سرے سے کوئی احتمال موجود نہیں ہے۔ ان کا اضطراب سراسر اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی کی بنا پر ہے۔

(6) ربا کا معاملہ انتہائی نازک و سنگین معاملہ ہے۔ اس سلسلے کی وعیدوں سے آپ ہر گز بے خبر نہیں ہیں۔ اس سے احتیاط لازم اور واجب ہے۔

(7) ”شبهة الربوا“ بھی حرام ہے۔ اگر حقیقت ربا کو قبول نہیں کیا جاسکتا تو ”شبهة الربوا“ سے تو انکار ممکن نہیں۔

(8) اربابِ فتویٰ کے بیانات اور دوسرے طبقات جو بینکنگ کے اُمور سے باخبر ہیں ان کے بیانات مسلسل اخبارات و رسائل میں بھی چھپتے رہتے ہیں اور اسلامی بینکاری کو اسلام کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اپنے دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ یقیناً یہ تمام بیانات آپ حضرات کے علم میں بھی آتے ہوں گے۔ ضروری تھا کہ آپ ان حضرات کو مطمئن کرتے اور اپنے جواب شائع کرتے۔ اور نہیں تو اربابِ فتویٰ جو آپ ہی کے حلقے کے حضرات ہیں ان سے رابطہ کر کے ان کی تسلی کا انتظام کیا جاتا جو نہیں کیا گیا۔ اگر کبھی کوئی مشاورت ہوئی ہے تو اس کے نتیجے میں اختلاف ختم نہیں ہوا۔ اعتراضات درست و موجود ہیں اور تشویش و اضطراب برقرار ہے۔

(9) یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بینکاری کے حوالے سے اپنے آپ کو عالم الناس سمجھتے ہیں اور دوسروں کی معلومات کو ناقص فرماتے ہیں۔ مجھے تو آپ کی طرف اس قول کی نسبت درست معلوم نہیں ہوتی۔ اگر آپ کا یہ دعویٰ نہیں تو پھر وہی سوال ہوگا کہ آپ نے اشکال کرنے والوں کو مطمئن کیوں نہیں کیا تا کہ اضطراب رفع ہوتا۔

ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس اضطراب و تشویش کو دور کرنے کے لیے علماء اور اہلِ فتویٰ سے وسیع مشاورت کے بعد ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کا شائع کیا جائے اور پورے ملک میں اس کی تشہیر کا اہتمام کیا جائے۔ ہم ہرگز تصادم کے خواہاں نہیں ہیں۔ ہم تو دل و جان سے آپ کے خیر خواہ ہیں اور آپ کا احترام کرتے ہیں۔ اُمت کو ”ربا“ کی لعنت سے بچانے کے لیے اپنا شرعی فرض ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں ذرا بھی تردد نہیں کہ اس فرض کی ادائیگی ہم پر لازم اور ضروری ہے اور اب تک جو ہم سے کوتاہی ہوئی اس پر ہم استغفار کرتے ہیں۔ آپ کے لیے بھی دنیا و آخرت کی فلاح کا واضح تقاضا ہے کہ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں اور غلط کار مفادات کے اسیر مشورہ دینے والوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

”إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ.“

یہ تحریر تھی جو حضرت نے مجھے پڑھ کر سنائی بھی تھی اور عطا بھی فرمائی تھی۔

سوال: پھر اس کے بعد آپ نے کیا جواب دیا؟

جواب: میں نے بتایا کہ جواب کا موقع نہیں دیا گیا۔ البتہ واپس آ کر میں نے

انہیں یہ خط لکھا:

حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کا خط، حضرت رئیس الوفاق دامت برکاتہم کے نام

گرامی خدمت مخدومی و مکرمی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہفتہ 9/ جمادی الثانیہ 1429ھ کو آنجناب نے بندہ کو ٹیلی فون پر یاد فرمایا اور بندہ کے

استفسار پر آنجناب نے بتایا کہ بینکاری کے سلسلے میں کچھ مشورہ کرنا ہے جس میں کچھ ساتھی

اور بھی ہوں گے۔ اس کے لیے اتوار اور پیر کے بعد کوئی دن مقرر کر لیا جائے۔ چنانچہ بندہ

نے منگل 21/ جمادی الثانیہ کو عصر کے وقت آنجناب کی خدمت میں حاضری طے کر لی اور

اس کے مطابق بندہ جامعہ فاروقیہ حاضر ہوا جہاں شہر کے کچھ دوسرے علماء بھی تشریف لائے

ہوئے تھے۔ خیال تھا کہ بینکاری سے متعلق شرعی مسائل کے بارے میں کوئی مشورہ ہوگا

لیکن آنجناب نے فرمایا کہ کوئی مذاکرہ مقصود نہیں ہے، بلکہ ایک تحریر پڑھ کر سنائی جو بندہ کے

نام تھی، اور اس کا ایک نسخہ بندہ کو بھی عطا فرمایا، اور اس کے فوراً بعد دعا کرنا فرمایا کہ مجھے

ہوائی اڈے جانا ہے۔ چونکہ یہ تحریر بندہ کے نام تھی اور اس میں غیر سودی بینکاری کی کسی معین

غلطی کی نشاندہی کے بغیر یہ فرمایا گیا تھا: ”اسلامی بینکاری کا نظام جاری کرنے میں آپ

سے غلطی ہوئی ہے۔“ اور آخر میں سورہ جاثیہ کی ایک آیت کریمہ کے حوالے سے بظاہر یہی

مفہوم ہوتا تھا کہ مجھ سے یہ غلطی خواہش پرستی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس لیے یہ تحریر سننے کے

بعد بندہ نے آنجناب سے کچھ عرض کرنے کی درخواست کی جس پر آنجناب نے کچھ عرض کرنے کی اجازت نہیں دی، اور فرمایا کہ مجھے انرپورٹ جانا ہے۔ بندہ نے اختصار ہی کے ساتھ کچھ عرض کرنے کی درخواست کی اور کچھ جملے بولنے شروع کیے تو اس پر بھی آنجناب نے اجازت نہیں دی، اور اُٹھ کر تشریف لے گئے۔

بندہ آنجناب کا شاگرد اور نیاز مند ہے اور نہ جانے کتنے مسائل میں آنجناب سے استفادے اور مشورے کا رابطہ ہمیشہ رہتا ہے لیکن بینکاری کے حوالے سے آنجناب نے اس سے قبل کبھی نہ کسی اضطراب کا اظہار فرمایا نہ اس موضوع پر کبھی کوئی بات کی۔ نہ بندہ کا یہ موقف معلوم فرمایا۔ بینکاری کے حوالے سے آنجناب سے کسی قسم کی کوئی بات کرنے کا یہ پہلا موقع تھا جسے آنجناب نے ہی مشورے کا عنوان دیا تھا لیکن بندہ کی کوئی بات سننے بغیر یہ یکطرفہ تحریر سنا کر بندہ کو کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہ دینا ایسا معاملہ ہے جس کی کوئی توجیہ بندے کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ اگر اس وقت سفر پر تشریف لے جانا طے تھا تو اس ملاقات کے لیے اس وقت کے بجائے کوئی اور وقت بآسانی رکھا جاسکتا تھا۔ بندہ خطاؤں کا پتلا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی پر ہی گزارا ہو رہا ہے۔ نہ جانے کتنی غلطیاں بندے سے سرزد ہوتی ہیں۔ آنجناب تو بندے کے استاد ہیں۔ جو لوگ ضابطے میں بندے سے چھوٹے سمجھے جاتے ہیں ان کی طرف سے بھی اگر کسی غلطی کی نشان دہی ہوتی ہے، تو بندہ اُس پر بھی ممنون ہو کر غور کرتا ہے اور غلطی واضح ہونے پر اس کا اعلان و اعتراف شائع بھی کرتا رہا ہے۔ لہذا غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں بندے سے جو غلطی ہوئی ہے، کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی متعین نشان دہی کے بعد بندے کا موقف بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ سُن لیا جاتا؟

بہر حال! چونکہ آنجناب نے بندہ کو اپنا مدعا پیش کرنے کا موقع عطا نہیں فرمایا اس لیے اس خط کے ذریعے کچھ طالب علمانہ گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آنجناب کے اخلاق

کریمانہ سے درخواست ہے کہ ان گزارشات کو ازراہ کرم بغور ملاحظہ فرمائیں۔ ان کا مقصد خدا خواستہ کوئی بحث و مباحثہ ہرگز نہیں ہے، بلکہ الحمد للہ طلبِ حق اور صورتِ حال کی وضاحت ہے۔

پاکستان میں بینکوں کو سود کی لعنت سے پاک کر کے انہیں شرعی اصولوں کے مطابق چلانے کی خواہش تو ہمارے اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سب کو رہی اور انہوں نے اس کے لیے ابتدائی کوششیں بھی کیں لیکن اس کے لیے سب سے پہلے ایک منظم تجویز 1980ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کی گئی۔ حضرت مولانا سید یوسف بنوری صاحب قدس سرہ ابتدا میں کونسل کے رکن تھے، اور اسی وقت کونسل کا ایک بنیادی کام غیر سودی بینکاری کا طریق کار متعین کرنے کو قرار دیا تھا لیکن اس رپورٹ کی تیاری کے وقت حضرت کی وفات ہو چکی تھی اور ان کی جگہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کو رکن بنادیا گیا تھا نیز اس وقت حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کا کاخیل، حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب اور یہ نیاز مند کونسل کے ارکان میں شامل تھے۔ یہ رپورٹ وسیع پیمانے پر اردو اور انگریزی میں شائع ہوئی، بحیثیت مجموعی اسے سراہا گیا اور اس پر کوئی اشکال اس وقت سامنے نہیں آیا لیکن جب اس رپورٹ کی تنفیذ کا وقت آیا تو نافذ کرنے والوں نے اس میں ایسی تبدیلیاں کر دیں جن کی وجہ سے اس رپورٹ کی تجاویز کا حلیہ بگڑ گیا اور ”غیر سودی بینکاری“ ایک دھوکا ہو کر رہ گئی۔ اس موقع پر اس دھوکے کے خلاف سب سے پہلے بندے ہی نے آواز اٹھائی۔ اخبارات اور مضامین کے ذریعے حقیقتِ حال سے عوام کو آگاہ کیا لیکن ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری رکھی کہ غیر سودی بینکاری کے تصور ہی کو ختم کرنے کے بجائے اس میں اصلاح کی صورتیں پیدا کی جائیں۔ چنانچہ صحیح

متبادل طریقے اختیار کرنے کے لیے اس وقت شعبان 1421ھ میں دارالعلوم کراچی میں ”مجلس تحقیق مسائل حاضره“ کا ایک اجلاس بلایا گیا تھا جو غالباً کئی روز تک جاری رہا تھا۔ اس میں دارالعلوم کے اصحاب فتویٰ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہ، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب قدس سرہ، حضرت مفتی وجیہ صاحب قدس سرہ، حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم اور جامعہ خیر المدارس کے مفتی محمد انور صاحب مدظلہم بھی شامل تھے۔ اس وقت متبادل طریقوں کا تعین کرنے کے لیے ایک تحریر پر سب نے اتفاق کیا۔ البتہ حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم نے بحیثیت مجموعی اتفاق فرمانے کے ساتھ تین نکات سے متعلق اختلاف فرمایا۔ یہ پوری تحریر حضرت مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہ نے اپنے ”احسن الفتاویٰ“ کی ساتویں جلد میں صفحہ 21 پر ”بلا سود بینکاری“ کے عنوان سے شائع فرمائی ہے۔

اس تحریر کے ذریعے چند متبادل طریقوں پر بحیثیت مجموعی مجلس کا اتفاق ہو گیا تھا۔ اس لیے اسی بنیاد پر ملکی بینکوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی گئی لیکن افسوس ہے کہ حکومتی سطح پر یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی دوران عرب ممالک میں ”غیر سودی بینکوں“ کے قیام کی تحریک نے خاصا زور پکڑا اور وہاں اس قسم کے بینک قائم ہونے لگے۔ ان کے طریق کار کے بارے میں ”مجمع الفقہ الاسلامی“ کے اجلاسات میں غور ہوتا رہا اور اس کی قراردادوں میں بھی بنیادی طور پر وہی موقف اختیار کیا گیا جو ”مجلس تحقیق مسائل حاضره“ کی مذکورہ بالا تحریر میں اختیار کیا گیا تھا۔ ان کی تالیید میں مفصل مقالات مجمع کے مجلہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف ہندوستان میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمہ اللہ نے مجمع الفقہ الاسلامی ہند کے نام سے جو ادارہ قائم کیا تھا، اس کے مختلف اجلاسات میں بھی یہ موضوعات زیر بحث آئے جن میں علمائے ہندوستان نے تحقیقی مقالات بھی تحریر فرمائے۔ پھر چونکہ

بینکوں کے نظام میں تبدیلی لانے کے لیے اور بھی بہت سے کام ضروری تھے، اس لیے عالم اسلام میں ان کاموں کے لیے الگ الگ ادارے قائم ہوئے۔ انہی میں سے ایک ادارہ ”المجلس الشرعی“ کے نام سے قائم ہوا جو اس وقت بیس علماء پر مشتمل ہے۔ اس کے ارکان میں شیخ محمد الصدیق الضریر (سوڈان)، شیخ وہبہ الزحیلی (شام)، شیخ سعید رمضان البوطی (شام)، شیخ عبد اللہ بن سلیمان بن منیع (سعودی عرب)، شیخ عبد الرحمن الاطرم (سعودی عرب)، شیخ عبد الستار ابوغدہ (شام)، شیخ عجیل النشمی (کویت)، شیخ علی محی الدین القرہ داغی (عراق)، شیخ نظام یعقوبی (بحرین) جیسے معروف علماء شامل رہے ہیں۔ اس مجلس نے غیر سودی بینکوں کے تفصیلی طریق کار سے متعلق متعین ”معاہر“ تیار کرنے کا کام اپنے ذمے لیا ہے۔ جس میں زیر بحث امور سے متعلق کسی ایک عالم سے کتب فقہ کی روشنی میں ایک مفصل مقالہ اور متعلقہ موضوع پر ایک متن تیار کرایا جاتا ہے جو بطور معیار مالیاتی اداروں میں نافذ کیا جاسکے۔ اس متن پر مجلس شرعی میں بحث ہوتی ہے جو کئی کئی دن جاری رہتی ہے۔ اختلاف آرا کو کھلے دل سے سن کر اس پر آزادانہ گفتگو ہوتی ہے اور جب ایک مسودہ تیار ہو جاتا ہے تو ان علماء کا ایک اجتماع منعقد ہوتا ہے جو مجلس شرعی کے رکن نہیں ہیں مگر ان موضوعات پر تصنیفی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ یہ اجتماع ”جلسۃ الاستماع“ کے نام سے ہر معیار پر دوبارہ غور کرنے کے لیے منعقد ہوتا ہے اور باہر کے علماء کی آرا سنی جاتی ہیں۔ پھر مجلس ان آرا کی روشنی میں مسودے پر دوبارہ غور کرتی ہے اور تیسری خواندگی کے بعد اسے ”معیار“ کے طور پر شائع کیا جاتا ہے۔ اب تک اس طرح تیس کے قریب معاہر شائع ہو چکے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں بندے نے جو بھی کام کیا ہے، وہ تنہا اپنی انفرادی رائے کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی

رپورٹ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تحریر، مجمع الفقہ الاسلامی کی قراردادوں اور المجلس الشرعی کے صادر کیے ہوئے معایر کی بنیاد پر کیا ہے۔

پھر بھی یقیناً اس طریق کار کو غلطیوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا اور اگر کسی غلطی کی نشان دہی ہو جاتی ہے تو اس کے تدارک کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ نیز اگر اب بھی اہل علم کو اس کے طریق کار میں اشکال ہو تو یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے کہ وہ اشکال سامنے آئے اور اس پر فقہی نقطہ نظر سے غور کیا جائے۔

کچھ عرصہ پہلے جامعۃ الرشید کے حضرات نے کراچی کے اہل فتویٰ حضرات کے لیے تقریروں کے ایسے سلسلے کا اہتمام کیا جس میں غیر سودی بینکاری کے مروجہ طریقوں کی وضاحت کی جائے۔ ہمارے دارالعلوم کے ایک استاذ مولانا حسان کلیم صاحب نے توضیحی تقریروں کا یہ سلسلہ شاید دو ڈھائی ماہ تک جاری رکھا جس میں مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب، مولانا مفتی محمد منظور مینگل صاحب بھی اہتمام سے شریک ہوتے تھے۔ اسی وقت جامعۃ الرشید کے منتظمین اور خود مولانا حسان کلیم صاحب نے یہ وضاحت کی کہ سلسلے کی تکمیل کے بعد ان میں سے جن امور پر فقہی اشکالات ہوں، انہیں مرتب کر لیا جائے اور پھر ایک نشست محمد تقی کے ساتھ رکھ لی جائے جس میں ان اشکالات پر گفتگو ہو جائے۔ مفتی ابولبابہ صاحب نے مجھ تک یہ پیغام بھی پہنچایا اور بندہ نے بخوشی ایسی نشست میں شرکت کا ارادہ ظاہر کیا لیکن پھر نہ کوئی اشکالات مرتب کیے گئے اور نہ ایسی کسی نشست کا اہتمام ہوا جس کا تاثر مولانا حسان کلیم صاحب نے یہ لیا کہ شاید کوئی قابل ذکر اشکالات باقی نہیں رہے۔

آنجناب نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے چاہیے تھا کہ جن حضرات کو اس معاملے میں تشویش تھی، ان کو مطمئن کرتا۔ بندے کی گزارش یہ ہے کہ اپنی دانست اور بساط کے مطابق بندہ تحریر و تقریر اور انفرادی سوالات کے جوابات میں صورتِ حال کی وضاحت کرتا

رہا۔ کم از کم تین کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں، اور تین مرتبہ علمائے کرام کے سامنے یہ مسائل پیش کرنے کے لیے دارالعلوم میں مفصل کورس منعقد کیے ہیں جن میں دارالعلوم سے باہر کے علمائے کرام کو بھی دعوت دی گئی اور کراچی و بیرون کراچی سے متعدد معروف مدارس کے اساتذہ اور علماء حضرات نے شرکت بھی فرمائی۔ نیز مختلف دورانیوں کے مسلسل کورسوں کا سلسلہ تاحال جاری ہے جس میں معروف مدارس کے علماء بھی شریک ہوتے ہیں۔ جن حضرات کو تشویش تھی وہ اگر اپنی تشویش سے بندے کو مطلع فرماتے اور اس پر فقیہی انداز میں گفتگو ہو جاتی تو اگر میری غلطی ثابت ہوتی تو میں اس سے رجوع کر لیتا اور اگر ان کو غلط فہمی ہوتی تو وہ دور ہو جاتی۔

بندہ تمام علمائے کرام اور اہل فتویٰ کا نیاز مند ہے۔ ان سب سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہی ہیں۔ ٹیلی فون پر بھی بات ہو جاتی ہے۔ دوسرے موضوعات بھی زیر گفتگو آتے رہے ہیں۔ کبھی کسی نے اشارۃً یا کنایہً بھی مجھ سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ آنجناب نے بھی کبھی کسی ملاقات میں اس طرف کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا۔ بلکہ اب معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کراچی کے علماء کے ساتھ آنجناب نے متعدد اجتماعات منعقد فرمائے۔ ان اجتماعات میں بھی آنجناب نے اپنے اس نالائق شاگرد کو نہ بلانے کی ضرورت سمجھی، نہ ان کی کارروائی اور ان کی گفتگو سے باخبر کرنا ضروری سمجھا۔ کل پہلی بار آنجناب نے طلب فرمایا تو بندہ حاضر ہو گیا لیکن جناب نے کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور جو تحریر عطا فرمائی، اس میں بھی بینکاری کے معاملات سے متعلق کسی غلطی کی کوئی نشان دہی نہیں ہے۔ صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ اس معاملے میں اضطراب پایا جاتا ہے اور اضطراب غلطی پر ہی ہوتا ہے۔ اول تو بندے کو اس درجے کے اضطراب کا واقعی علم نہیں ہے جس کا آنجناب نے ذکر فرمایا ہے۔ دوسرے اس قسم کا اضطراب تو لال مسجد کے قضیے میں وفاق المدارس کے بارے میں

بھی رہا ہے لیکن کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وفاق کا موقف غلط تھا؟

آجنباب نے یہ بھی فرمایا ہے: ”یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بینکاری کے حوالے سے آپ اپنے آپ کو علم الناس سمجھتے ہیں اور دوسروں کی معلومات کو ناقص فرماتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ بندہ نے کبھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی۔ علم الناس کہنا یا سمجھنا تو درکنار اس بات کا تصور بھی کبھی نہیں آیا۔ نہ دوسروں کے بارے میں کبھی بندہ نے تنقیص کی کوئی بات کی۔ اب بھی اگر کسی عالم کی طرف سے کسی غلطی کی نشان دہی ہو اور دلیل سے ثابت ہو جائے تو ان شاء اللہ اس کے اعتراف و اعلان میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

آجنباب نے میزان بینک کے عملے کے بارے میں جو باتیں ذکر فرمائی ہیں، وہ واقعتاً قابلِ اعتراض ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بندہ یا شریعہ بورڈ کا کوئی رکن بینک کا نہ مالک ہے نہ بینک کا حصہ دار ہے۔ نہ بینک کے انتظامی معاملات اور عملے کے تقرر سے ہمارا کوئی تعلق ہے۔ ہمارا کام تجارتی عقود و معاملات کے بارے میں یہ دیکھنے کی حد تک محدود ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں؟ اس کے باوجود میں وقتاً فوقتاً اس بارے میں بینک کی انتظامیہ کو متنبہ کرتا رہا ہوں جس کا کچھ اثر بھی ظاہر ہوا ہے لیکن یہ خرابی بہر حال ابھی تک موجود ہے اور اس کے ازالے کی ممکنہ کوشش بھی ہو رہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ محض عملے کی وضع قطع کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو تجارتی معاملات بینک میں ہو رہے ہیں، وہ حرام ہیں۔ آجنباب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ”ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس اضطراب اور تشویش کو دور کرنے کے لیے علماء اور اہل فتویٰ سے وسیع مشاورت کے بعد ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کا شائع کیا جائے اور اس کی پورے ملک میں تشہیر کا اہتمام کیا جائے۔“ اس سلسلے میں دو گزراشیں کرنا چاہتا ہوں۔ اول تو جب آجنباب نے یہ فیصلہ فرمالیا ہے کہ فتویٰ عدم جواز ہی کا ہوگا تو پھر ”مشاورت“ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

دوسرے اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ صرف پاکستان نہیں، بلکہ عالمِ اسلام کے اکثر خطوں میں الحمد للہ سود سے پاک مالیاتی ادارے قائم کرنے کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اور پچھلے تیس چالیس سال سے، تقریباً تمام عرب ممالک میں نیز ملائیشیا، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، برونائی وغیرہ میں اور مغربی ملکوں میں سے برطانیہ امریکا وغیرہ میں ایسے ادارے بڑی تعداد میں قائم ہوئے ہیں جن کی رہنمائی ان علاقوں کے علماء کرتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے علماء متساہل یا مداہن نہیں ہیں۔ ان میں بعض ایسے حضرات بھی شامل ہیں جن کے علم کے ساتھ ان کا ورع و تقویٰ بھی ظاہر و باہر ہے۔ پھر چونکہ سودی نظام نے دنیا بھر کو اپنے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے، اس لیے اس کام کے لیے مناسب فضا تیار کرنے کے لیے بہت سے معاون اداروں کی ضرورت تھی جو رفتہ رفتہ وجود میں آئے ہیں۔ مثلاً متعدد مقامات پر تاجروں اور پیشہ ور حضرات کو معاملات سے متعلق اسلامی احکام، شرکت، مضاربہ، مراجعہ، اجارہ، کفالہ، رہن، زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ شرقِ اوسط کے علماء خاص طور پر ان اداروں کی رہنمائی کے لیے کتابیں، رسالے اور تحقیقی مضامین لکھ رہے ہیں اور اس موضوع پر شائع شدہ مواد بلا مبالغہ لاکھوں صفحات تک پہنچ چکا ہوگا۔ اب عام یونیورسٹیاں بھی اس موضوع کو داخلِ نصاب کرنے لگی ہیں۔ اس طرح بلا سود بینکاری کے لیے اکاؤنٹ کے ”معیار“ بھی سودی بینکوں سے مختلف ہونے ضروری ہیں، اسکے لیے اکاؤنٹ کے ”معاہر“ بحرین کے ایک ادارے نے تیار کیے ہیں۔ کمپیوٹر کے پروگراموں میں تبدیلی کی ضرورت تھی۔ وہ کام الگ ہوا ہے۔ مرکزی بینکوں کے قواعد غیر سودی بینکوں کے لیے الگ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ پاکستان سمیت کئی مرکزی بینکوں میں اس غرض کے لیے الگ شعبہ قائم کر کے غیر سودی بینکوں کے لیے الگ قواعد بنائے گئے ہیں۔ ان اداروں کی درجہ بندی (ریٹنگ) کے لیے الگ معیار کی ضرورت تھی جس میں شرعی

احکام کی پابندی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے لیے ان اداروں کی الگ ریٹنگ ایجنسی قائم ہوئی ہے اور یہ سارا کام لادینی حلقوں کی شدید مخالفتوں کے علی الرغم ہوا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یقیناً ان اداروں کو خامیوں اور غلطیوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا۔ بالخصوص جبکہ یہ نظام اپنے ابتدائی مراحل میں ہے، اس کے لیے موزوں رجال کار کی فراہمی ایک مستقل مسئلہ ہے اور اسے ہر قدم پر سودی نظام کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ لیکن بندہ یہ سمجھتا ہے کہ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ حتی الامکان ان خامیوں اور غلطیوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی جائے نہ یہ کہ ان خامیوں کی وجہ سے غیر سودی بینکاری کے اس سارے کام کو بیک جنبش قلم رایگاں اور ناجائز قرار دے کر ان سے بالکل قطع تعلق کر لیا جائے۔ اس سے بظاہر یہ ادارے ختم تو نہیں ہوں گے لیکن اول تو ان کی خامیوں میں اور اضافہ ہوگا اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان خلفشار بڑھے گا اور اس کے نتیجے میں دراصل سودی نظام اور ان لادینی طاقتوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے جو ان کوششوں کی دشمن ہیں اور جن کا عین مفاد یہ ہے کہ غیر سودی بینک ناکام ہوں اور ان کے اس پروپیگنڈے کو تقویت حاصل ہو کہ سود کے بغیر تجارت و معیشت چل نہیں سکتی۔ یہ چند طالب علمانہ گزارشات تھیں جو بندہ آنجناب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ اُمید ہے کہ آنجناب ان پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔

والسلام

بندہ محمد تقی عثمانی عفا اللہ تعالیٰ عنہ

اسلامی بینکوں کی نگرانی کا نظام اور اس کے مختلف مراحل:

خط سنانے کے بعد:

ایک بات یہاں پر یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ بھی بسا اوقات کہا جاتا ہے کہ بھئی! آپ

نے نظام تو دے دیا لیکن اتنے بڑے اداروں میں ان کے چیکنگ کا انتظام کہ واقعتاً وہ ان قواعد کے مطابق چل رہے ہیں یا نہیں؟ یہ آپ نے نہیں کیا۔ تو تھوڑا سا میں آپ کو اس کے متعلق بتا دوں۔ چیکنگ کا یہ نظام ہے کہ ہر معاملہ جو بھی ہوگا، مثلاً مراہجہ ہی فرض کیجیے۔ اس کے اندر جو شرائط ہیں، ان کی تکمیل کے لیے کس طرح اس کی چیکنگ ہوگی؟ تین چار مرحلوں میں اس کی چیکنگ کا نظام ہے۔ سب سے پہلے مراہجہ اسی جگہ ہو سکتا ہے جہاں واقعتاً خریداری ہو رہی ہو۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حیلہ ہے۔ حیلہ اسے کہتے ہیں جہاں پر مقصود تو کچھ اور ہے اور اس کی جگہ آپ نے عقد کوئی اور بنالیا ہے۔ یہ حیلہ ہے۔ جبکہ یہاں مراہجہ ہوتا ہی اس چیز پر ہے جو آدمی خریدتا ہے۔ میں نے مثال دی تھی روٹی کی۔ ایسا نہیں کہ بینک کے پاس آنے والا شخص خریدنا نہیں چاہتا اور ہم نے خواہ مخواہ ایک خریداری گھڑ لی ہے۔ وہ واقعی چاہتا ہے خریداری۔ اس خریداری کے لیے مراہجہ کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے..... لیکن اس میں جو شرعی شرائط ہیں اور اس کے نظام میں جو قواعد ہیں، وہ آیا پورے ہو رہے ہیں یا نہیں؟ اس کا پورا نظام ہے۔ اس کے لیے پورا ”معیار“ ہے۔ اندرونی بیرونی کئی شاخوں میں اس کا ہم جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے آیا جو شخص مراہجہ کے لیے رقم مانگ رہا ہے، واقعی یہ خریداری کرے گا یا نہیں؟ آیا یہ خریداری ایسی چیز کی ہے جو بینک کے ضمان میں آ سکتی ہے۔ اس کے ضمان کو بینک قبول بھی کرتا ہے یا نہیں؟ اگر فرض کرو جیسے پہلے یہ ہوتا تھا کہ لوگ آتے تھے کہ مزدوروں کی تنخواہ دینے کے لیے پیسے نہیں ہیں، اس کے لیے قرض چاہیے۔ سودی بینک تو اس مقصد کے لیے سود پر قرض دے دیتے ہیں۔ جبکہ یہاں (اسلامی بینکوں میں) اس کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یا بجلی کا بل آیا ہوا ہے۔ فلاں بل آیا ہے۔ اس کے لیے پیسے مانگتے ہیں۔ اس کا کوئی راستہ یہاں نہیں ہے۔ یہاں اسی چیز کا معاملہ ہوگا جہاں گاہک واقعتاً خریداری کرنا چاہتا ہے۔ سب سے پہلے اس کی چیکنگ ہوتی ہے۔

پھر خریداری والی چیز آیا اس قابل ہے کہ اس پر قبضہ کیا جاسکے؟ ایسا قبضہ جس کے نتیجے میں اس کا ضمان بینک پر عائد ہو سکے۔ کتنی مدت تک بجلی اور گیس کے لیے رقم لینے کے لیے لوگ اسلامی بینکوں میں آتے رہے۔ یعنی بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو گیس کا کاروبار کرتے ہیں۔ مثلاً فریٹلائزر یعنی کھاد کے کارخانے والے، ان کو گیس کی خریداری کی ضرورت ہوتی ہے۔ گیس کے لیے ان کو پیسے چاہئیں۔ اب کتنے دنوں تک اس پر تحقیق ہوتی رہی کہ کیا گیس پر قبضے کا تصور ممکن ہے؟ کیونکہ قبضے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے بینک کے ضمان میں آئے تب آگے اس کو فروخت کر سکے گا۔ گیس ضمان میں کیسے آئے؟ وہ تو گیس کی پائپ لائن سے ہو کے جارہی ہے اور مسلسل جارہی ہے۔ اس کے اندر کوئی مرحلہ ایسا مقرر کرنا کہ پہلے وہ بینک کے ضمان میں آئے، نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کو رد کر دیا کہ نہیں ہم یہ معاملہ نہیں کر سکتے۔ اسی طریقے سے بجلی کے اندر ہوا۔ یہ چیکنگ ہوتی ہے۔ پھر بعد میں آیا وقت پر جو مختلف مراحل ہیں، ان میں قواعد پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں؟ اس کا پورا ”مینول“ ہے جس کے اندر اس کا جائزہ لیا جاتا ہے اور جس کے ذریعے مکمل چیکنگ ہوتی ہے۔

اب اسٹیٹ بینک کی جو بات کی جاتی ہے۔ اسٹیٹ بینک کے لیے دو جلدیں ہیں جو اسی شعبے سے متعلق ہیں۔ یعنی اسٹیٹ بینک کی طرف سے اس بات کے آڈٹ کا انتظام کہ آیا یہ جو اسلامی بینک ہیں یہ واقعتاً اس طریقہ کار کی پیروی کر رہے ہیں یا نہیں جو ہم نے ”معاہر“ کے ذریعے مقرر کیے ہیں؟ اس کے لیے پوری یہ دو جلدیں ہیں۔ یہ اسٹیٹ بینک کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔ اس نظام کے تحت اسٹیٹ بینک جو نگرانی کرتا ہے یعنی ہمارے شریعہ نظام سے الگ وہ جو نگرانی کرتا ہے، وہ اس کے نظام میں بھی شامل کی گئی ہے۔ یہ کام ایسا نہیں ہے کہ سارا کا سارا ایک دن ایک رات میں مکمل ہو گیا۔ اس کے لیے مہنتیں ہوئی ہیں۔ اس کے لیے کام ہوئے ہیں۔ ہاں! البتہ خامیاں پھر بھی ہو سکتی ہیں۔ ان خامیوں کو روفت

رفتہ دور کیا جاسکتا ہے۔ جو فقہی مسائل ہیں ان پر گفتگو کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔
یہ چند مزید سوالات ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ان کا جواب دوں۔

تکافل کا شرعی طریقہ کار

سوال: تکافل کے بارے میں مختصراً کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: تکافل کے بارے میں سب سے پہلے اجتماع دارالعلوم میں بلایا گیا تھا۔ اس میں اس کے شرعی متبادل پر بحث ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد اس میں جو طریقہ کار طے ہوا تھا اس کے مطابق تکافل کا نظام قائم کیا گیا ہے جو وقف کی بنیاد پر ہے۔ باقی اس بارے میں فتویٰ مفصل کتابی شکل میں چھپ کر آیا ہے۔ اس کے اندر اس کی تفصیل موجود ہے۔

اسلامی بینکوں کی شرکت و مضاربت کی بنیاد پر ریٹنگ:

سوال: کیا اسلامی بینکوں کی عالمی سطح پر ایسی نگران کمیٹی نہیں ہو سکتی جو انہیں اس بات پر مجبور کرے کہ آپ نے اس سال مثلاً 15 فیصد کاروبار شرکت و مضاربت کی بنیاد پر کرنا ہے؟ جو بینک ایسا نہ کرے اس کی ریٹنگ کم کر دی جائے اور اس ریٹنگ کو شائع بھی کریں؟

جواب: بڑا اچھا سوال کیا ہے۔ بڑی اچھی بات کہی ہے۔ یہ ریٹنگ ایجنسی جو قائم ہوئی ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اس کے مقاصد میں یہ بھی داخل ہے۔ دیکھیے! ابھی تک ایسا تو ہے نہیں کہ کوئی ”ہیئت حاکمہ“ ہو ان سب کے اوپر جس کا حکم ان سب پر واجب التسلیم ہو، لیکن یہ ضرور ہے کہ ان ذرائع کے ذریعے ان پر زور ڈالا جاسکتا ہے اور اس ریٹنگ ایجنسی کے جو ریٹنگ کے اصول ہیں اس میں اس بات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مشارکہ، مضاربہ کے زیادہ استعمال اور مرابحہ کے کم استعمال پر اب کچھ عرصے سے عالمی سطح پر آوازیں اُٹھ رہی ہیں اور ادارے بھی قائم ہو رہے ہیں۔ یعنی سنجیدگی

کے ساتھ اس پر غور و فکر شروع ہو گیا ہے۔ اور کچھ عرصے سے میں چونکہ اس سلسلے سے ہٹنا چاہتا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ آخری عمر کچھ اللہ اللہ کرنے میں کچھ تصنیف کے کام میں گزاروں تو یہاں سے نکلوں، لیکن یہ ذہن میں ہے کہ یہ کام جس رُخ پڑا ہے اس کو کہیں پہنچا کر نکلوں۔ اس کے لیے الحمد للہ کام ہو رہا ہے اور اس سوچ میں اضافہ ہو رہا ہے الحمد للہ۔ دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تکمیل تک پہنچادے۔

اسلامی بینکوں میں شرکت و مضاربہ کے حوالے سے درپیش مشکلات:

سوال: پاکستان میں اسلامی بینکاری کو کم از کم 25 سال ہو چکے ہیں، لیکن اب تک

شرکت و مضاربہ کی بنیاد پر ان کو چلایا نہیں جاسکا۔ کیا مستقبل میں اس کی کوئی اُمید ہے؟

جواب: دیکھیے! جب ہم کوئی بات کریں تو اس کے سارے عملی پہلوؤں کو سامنے

رکھ کر کرنی چاہیے۔ جیسا کہ میں بیان میں عرض کر رہا تھا کہ جب ہم کسی مسئلے پر کسی کو رائے

دیں کہ اس پر عمل کرو تو پہلے اپنے آپ کو اس کی جگہ کھڑا کر کے دیکھ لیں کہ اگر ہم اس کی جگہ

ہوتے تو ہم کیا کرتے؟ آج صورتِ حال یہ ہے کہ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ

لے کہ اگر کسی کے پاس 10 کروڑ روپے ہو اور وہ چاہتا ہے کہ اسے میں کسی نفع بخش کاروبار

میں لگاؤں تو کسی کے ساتھ شرکت و مضاربہ کا عقد کرنے میں اس کو کیا کیا دشواریاں پیش

آئیں گی؟ اس کو سوچ لینا چاہیے۔ بددیانتی کا چلن عام ہے۔ کیا ہو رہا ہے دنیا میں؟ ایسا ہوا

ہے کہ مشارکہ کے نام پر لوگ گئے اور آگئے کہ جی! ہمیں تو نقصان ہو گیا۔ پھر صورتِ حال یہ

ہے کہ کوئی بھی تاجر اپنا حقیقی نفع انکم ٹیکس کی وجہ سے ظاہر کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ ڈبل

اکاؤنٹنگ کا سسٹم قائم ہے تو اس کے لیے بہت سی مشکلات ہیں۔

شرکت و مضاربہ کے ایک شائق کا سچا واقعہ:

تیسرا یہ کہ تاجروں کی ایک ذہنیت ہے۔ یہ بھی اس میں بڑی رکاوٹ ہے۔ میں ایک

سچا واقعہ بتا دیتا ہوں۔ چونکہ میں کہتا رہتا ہوں بینکاروں کو کہ شرکت کرو، شرکت کرو۔ تو ایک پارٹی میرے پاس آئی۔ بہت دین دار آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کریں۔ انتقال کر گئے۔ آئے اور کہنے لگے: ہمیں شرکت پر کاروبار کرادیں۔ میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے۔ بڑے با اعتماد آدمی تھے۔ ان پر شبہ بھی نہیں تھا کہ بددیانتی کریں گے۔ میں نے اس وقت جس بینک کے ساتھ میرا تعلق تھا اس کے ذمہ دار کو فون کیا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں پوری گواہی دینے کو تیار ہوں کہ بہت قابل اعتماد آدمی ہیں۔ آپ ان سے مضاربیت کا معاملہ کر لیں۔ خیر! وہ گئے۔ دو دن بعد بینک کے ذمہ دار سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا ہوا ان کا؟ کہنے لگے: وہ تو کہہ رہے تھے کہ سودی بینک تو 12 فیصد منافع دیتے ہیں اور آپ کو میں شرکت میں اگر منافع دوں گا تو مجھے 25 فیصد دینے پڑیں گے۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو کہ ہو تو وہ شرکت، لیکن مجھے 12 فیصد سے زیادہ نہ دینا پڑے۔ تو یہ تاجروں کی ذہنیت ہے۔ تاجر کہتے ہیں کہ جب 12 فیصد پر ہمیں پیسہ مل رہا ہے سود پر، تو شرکت کے ذریعے ہم پچیس فیصد کیوں دیں؟ تو یہ ایک ذہنیت ہے اور یہ ذہنیت محض سود خوروں کی نہیں بلکہ دین داروں کی بھی ہے۔ اس ذہنیت کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ یہ سارے مسائل ہیں لیکن ان مسائل کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہم بس مایوس ہو کر بیٹھ جائیں اور اس پر کام نہ کریں۔

اس موقع پر صدر دارالعلوم کراچی مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہ نے کہا کہ وہ دین دار بزرگ جو ہیں، میں ان کو جانتا ہوں۔ انتقال ہو گیا۔ تہجد گزار تھے۔ نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے پابند تھے اور بزرگوں سے والہانہ عقیدت رکھنے والی شخصیت تھی۔ تو یہ ہے صورتِ حال۔ یہ تازہ تازہ مثال موجود ہے زندگی میں کہ تاجر لوگ شرکت پر تیار نہیں ہوتے۔ ہوتا کیا ہے شرکت میں جس کی وجہ سے ہم اس پر زور دیتے ہیں؟ ہوتا یہ ہے کہ سرمایہ کار خ اوپر جانے کی بجائے نیچے کی طرف جائے گا۔ اس سے غریبوں کو بھی کچھ ملے گا۔ اس پر سرمایہ

دار لوگ تیار نہیں۔

یہ صورتِ حال ہے۔ اس کی وجہ سے دشواریاں ہیں لیکن ان دشواریوں کے باوجود اب الحمد للہ اس طرف رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ خدا کرے اس میں اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔ یہ بھی ہو رہا ہے کہ جیسے آپ نے تجویز دی ہے کہ اب شریعہ بورڈز یہ بھی کر رہے ہیں کہ آپ اس سے زیادہ مزاحمت نہیں کر سکتے۔ آپ شرکت و مضاربہ کی طرف بڑھیں۔ تو اس میں کچھ راستے بھی نکل رہے ہیں تھوڑے تھوڑے۔ اللہ کرے اس میں کامیابی ہو۔

اسلامی بینک اور مائیکروفنانسنگ:

سوال: اسلامی بینکاری مقاصدِ شرعیہ کو کس حد تک پورا کر رہی ہے؟ مثلاً غریب آدمی کی فلاح و بہبود اس صورت میں کہ اسے چھوٹی اشیاء مناسب منافع پر دی جائیں جیسا کہ محمد یونس کے بینک نے کیا ہے، اگرچہ وہ ایک سودی بینک ہے۔

جواب: بات یہ ہے کہ اس پر بھی بعض بینکوں نے کام شروع کیا ہے کہ غریب علاقوں میں مختلف لوگوں کی بہتری کے لیے ایسا طریقہ جس کو ”کنزیومرفنانسنگ“ کہتے ہیں یا ”مائیکروفنانسنگ“ کہتے ہیں۔ چھوٹی چیزوں کے طور پر کام کرنا شروع کیا جائے۔ لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جہاں یہ مائیکروفنانسنگ ہوئی وہاں پر شرح منافع بہت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ انہیں پیسوں کے ڈوب جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ لہذا وہ کہتے ہیں منافع زیادہ رکھیں۔ تو ہم یعنی بعض غیر سودی بینکوں نے کسی حد تک یہ سلسلہ جاری کیا ہے اور اس کے لیے کچھ مناسب اقدامات بھی کیے جا رہے ہیں اور بعض جگہ اس کے بڑے اچھے نتائج بھی آئے ہیں۔

سوال: محمد یونس کے بارے میں کچھ معلومات، یہ کیسا کام کر رہے ہیں؟

جواب: یہ سودی بینک ہے۔

سوال: سنا ہے پاکستان میں عنقریب مائیکروفنانسنگ شروع کرنے کے امکانات

ہیں۔

جواب: اس پر کافی کام ہو رہا ہے۔ اس کا جو طریقہ کار ہے یعنی سود کو نکال کر باقی جو چیزیں ہیں ان کا جائزہ لے کر اب ان شاء اللہ عنقریب یہ کام شروع ہوا چاہتا ہے۔ ویسے میں ایک بات آپ کے سامنے عرض کر دوں جو میں شروع سے آپ سے کہتا چلا آ رہا ہوں۔ موجودہ جو طریقہ رائج ہیں، مراحمہ یا اجارہ، ان کا بہت بڑے پیمانے پر شرعی معاشی مقاصد کو پورا کرنے میں بہت کم حصہ ہوگا جب تک کہ بینکنگ کا پورا نظام شرکت و مضاربہ پر نہ آئے۔

حالیہ عالمی بحران میں اسلامی بینک کیوں سب سے کم متاثر ہوئے؟

اس کے باوجود آج اس طریقہ ہائے کار کی وجہ سے اس وقت صورت حال یہ ہے کہ آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ ساری دنیا اس وقت مالیاتی بحران میں مبتلا ہے۔ اس میں سب سے کم متاثر غیر سودی بینک ہوئے ہیں۔ ”واشنگٹن پوسٹ“ میں تین دن پہلے ایک مضمون آیا۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ حالیہ مالی بحران سے سب سے کم متاثر ہونے والا طبقہ اسلامی بینکنگ ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس پر غور کریں کہ یہ کیا بات ہے؟ یعنی انہوں نے اس کا اعتراف کیا۔ پھر اس کے اوپر دوسرا مضمون بھی شائع ہوا جو میں نے بتایا کہ میرے بارے میں یہودیوں کے مضمونوں کی بہت بہتات ہو رہی ہے۔ دوسرے مضمون میں اس نے پھر وہی گالیاں مجھے دینا شروع کی کہ ان کی وجہ سے یہ ہوا۔

یہاں صدر دارالعلوم کراچی مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب نے فرمایا:

دینی کے حالیہ مالیاتی بحران کی وجہ:

”ابھی پچھلے ہفتے میں تین دن کے لیے دینی گیا۔ ایک بہت بڑی کاروباری شخصیت میرے میزبانوں میں تھی۔ ان کے بیٹے اور ان کے ایک دوست جو کراچی سے پانچ سال پہلے وہاں چلے گئے تھے اور جو لوگ چودہ پندرہ سال سے وہاں ہیں وہ بتا رہے تھے ہمیں تو اللہ

نے اس غیر سودی بینکاری کے نتیجے میں بڑی مصیبت سے بچا لیا اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے حوالے سے کہنے لگے ہمارے ہاں ایک ایسوسی ایشن ہے ”پاکستان ایسوسی ایشن“ کے نام سے۔ میں انہی کی دعوت پر گیا تھا۔ وہاں بیان تھا۔ کہنے لگے کہ جس طریقے کا اجتماع ہم نے آپ کے ساتھ کیا ہے اسی طرح کا ہم نے مولانا تقی عثمانی صاحب کے ساتھ کیا تھا۔ اس میں ہم نے تاجروں اور صنعت کاروں کو جمع کیا تو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اس وقت جو باتیں بیان کی وہ سب تاجروں اور صنعت کاروں کے لیے بڑی ناگوار تھیں۔ ناگوار اس اعتبار سے کہ قلبی طور پر، نظریاتی طور پر دین و ایمان کی بات تو سمجھتے ہیں لیکن اپنے لیے ناقابل عمل سمجھتے ہیں یا کم از کم بہت مشکل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کہنے لگے ہمیں بھی یہ بڑی مشکل باتیں معلوم ہو رہی تھیں۔ اللہ نے ہمیں توفیق دی۔ ہم نے سودی کاروبار سے توبہ کر لی اور اسے تقریباً ختم کر دیا۔ آج دبئی میں زبردست بحران ہے۔ ہم اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ آج ہم سب بچے ہوئے ہیں۔ ہمارے ساتھ جن جن لوگوں نے سودی کاروبار چھوڑا تھا وہ سب بھی بچے ہوئے ہیں۔“

حضرت شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب نے یہ سن کر فرمایا:

”یہ جو واقعہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ دبئی میں ایک کاروبار چل رہا تھا۔ یہاں بھی ہے کہ فلیٹوں کی خرید و فروخت بغیر قبضے کے، بغیر شرعی شرائط کے ہو جاتی ہے۔ یعنی ابھی فلیٹ بن رہا ہے۔ ایک آدمی نے بنگلہ کرائی۔ اس نے دوسرے کو بیچ دیا۔ دوسرے نے تیسرے کو بیچ دیا۔ تیسرے نے چوتھے کو بیچ دیا۔ ابھی عمارت وجود میں ہی نہیں آئی اور اس کی خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے۔ یہ سب لوگ جمع ہو کر کہہ رہے تھے ہمارا سارا کاروبار ہی یہی ہے۔ ہم کیا کریں؟ میں نے کہا: ”بھائی! حرام ہے۔ میں کیا کروں؟ شریعت میں جائز نہیں۔“ میں نے اس وقت یہ بات کہی تھی کہ یہ سٹہ ہے۔ اس کی ساری بنیاد سٹے پر ہے۔

آپ دیکھیے گا کسی وقت آپ کو یہ ہلاکت میں ڈالے گا۔ پھر وہاں سے پورا وفد آیا کہ ہمارے ایگریمنٹ دیکھ لیجیے۔ میں نے دیکھ کر کہا: ”اس میں تو مجھے کوئی جواز کی صورت نظر نہیں آتی۔ یہ ناجائز ہے۔ سمجھ لو کہ سب سٹہ ہو رہا ہے۔“ آخر کار یہ ہوا کہ جتنے سٹے کے کاروبار تھے وہ سب ٹھپ ہو گئے۔

ٹریینیڈاڈ کے صدر سے ملاقات:

میں ابھی ”ٹریینیڈاڈ“ گیا تھا۔ وہاں میرے جو میزبان تھے، انہوں نے مجھے وی آئی پی ٹریینٹ دینے کے لیے میرا تعارف نامہ وزارت داخلہ میں بھیج دیا۔ ائرپورٹ پر استقبال کے لیے کوئی کارروائی کرنا پڑتی ہوگی وزارت داخلہ وغیرہ میں۔ پتا نہیں وہ کیسے وہاں کے صدر کے پاس پہنچ گیا۔ صدر نے ان کو فون کیا کہ جب یہ آئیں تو میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ خیر! میں نے کہا اچھا بھائی! میرے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ انہوں نے شامل کر دیا۔ خیر میں چلا گیا۔ صدر صاحب کہنے لگے: میں نے آپ کا تعارف نامہ دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ اسلامک فنانس سے آپ کا تعلق رہا ہے۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں اور لوگوں نے بھی مجھے بتایا ہے کہ عالمی بحران سے اسلامک فنانس کے ادارے نسبتاً کم متاثر ہوئے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ میں نے مختصراً بتایا۔ وہ بڑی دلچسپی سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ سنتا رہا۔ مطلب یہ کہ دنیا کو یہ احساس اب تھوڑا تھوڑا ہونا شروع ہوا ہے اور یہ جو مضامین آرہے ہیں، یہ اس بات کی علامت ہیں کہ اسلامی اور سودی بینکاری کے فرق کو دنیا سمجھ رہی ہے۔

سودی معیشت ”بیل اکانومی“ ہے:

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اسلامی بینکاری میں بھی وہی شرح منافع ہے۔ اس میں بھی وہی سب کچھ ہے۔ حالانکہ اس میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں جو معاملہ بھی ہے وہ

کسی اثاثے سے وابستہ ہے۔ یعنی بیع ہے کسی چیز کی۔ اجارہ ہے کسی چیز کا۔ جو کچھ بھی ہے وہ کسی اثاثے سے وابستہ ہے۔ یہ جو موجودہ سودی بینکنگ سسٹم ہے اس میں کوئی تعلق کسی اثاثے سے نہیں ہوتا۔ وہ ہوائی چیزیں ہیں۔ اس کے نتیجے میں جیسے میں نے تقریر بھی کی تھی کہ اس وقت جو دنیا میں روپے کا پھیلاؤ ہے وہ بالکل جھوٹا ہے۔ یعنی اس کے پیچھے حقیقت ہے ہی نہیں۔ اس کے پیچھے سرے سے کوئی اثاثہ ہی نہیں۔ یعنی نوٹ بھی نہیں ہیں۔ جیسا ہوتا ہے کہ نوٹ کے پیچھے سونا ہوتا تھا۔ سونا بھی ختم ہو گیا، اب نوٹ بھی نہیں ہیں۔ یعنی صرف نمبر ہے اور وہ پیسہ شمار ہو رہا ہے۔ پھر بیع قبل القبض، شارٹ سیلز، بلیک سیلز، قرض کی بیع..... طرح طرح کی فاسد بیوع ہو رہی ہیں۔ موجودہ سارا بحران ”بیع الدین“ سے چلا ہے۔ میں نے فیصلہ میں لکھا تھا کہ آج کل کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں ”ہبل اکانومی“، یعنی بلبہ۔ میں نے کہا: یہ بلبہ نہیں غبارہ ہے جو کسی وقت بھی پھٹ جائے گا اور واقعی وہ پھٹ گیا۔

اسلامی بینکاری پر مفتیانِ کرام کیا فتویٰ دیں؟

سوال: آنجناب کے بیان سے واضح ہوا ہے کہ بینکاری کے مروجہ اسلامی نظام پر بعض حضرات نے جو اشکالات کیے ہیں ان میں سے بعض اعتراضات قابلِ غور ہیں۔ ان میں اربابِ فتویٰ کو کیا فتویٰ جاری کرنا چاہیے؟

جواب: جو قابلِ نظر مسائل تھے وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیے اور جو کچھ ہماری رائے تھی وہ بھی آپ کے سامنے پیش کر دی ہے لیکن بہر حال آپ سب حضرات صاحبِ فتویٰ ہیں تو ان پر غور فرمائیں۔ جو رائے قائم ہو لیکن تمام متعلقہ مواد کو سامنے رکھ کر غور و فکر ہو۔ جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو مدِ نظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیں، اسی کے مطابق عمل کریں۔

اسلامی بینکاری کا مسئلہ اُصولِ فتویٰ کی روشنی میں

www.deeneislam.com



خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مفتی اعظم پاکستان

اسلامی بینکاری کا مسئلہ اُصولِ فتویٰ کی روشنی میں

خطاب

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب



نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد:

اللہ رب العالمین کے فضل و کرم سے حضرات علمائے کرام اور مفتیان کرام کا اجتماع حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم نے منعقد کر کے ہم سب کے لیے مل بیٹھنے کی صورت فراہم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے رفقاءے کار اور برادر کو ان معاملات میں اور زیادہ معاون بننے کی توفیق عطا فرمائے اور آئندہ بھی اس قسم کے اجتماعات ہوتے رہیں۔ الحمد للہ! موضوع سے متعلق تمام باتیں تفصیل سے بڑی حد تک آچکی ہیں جن پر مزید اضافے کی ضرورت نہیں۔ البتہ دو تین باتیں اس صورت حال سے متعلق میں عرض کرتا ہوں جو پیش آئیں۔

غیر منصوص مسائل کی تخریج کا اصول:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کے فقہی مسائل جن میں کوئی ”نص صریح“ موجود نہ ہو، پیش آجائیں جن کو اصول فقہ کی اصطلاح میں ”نوادر“ بھی کہتے ہیں، ”واقعات“ بھی کہتے ہیں، ان میں جب ”نص صریح“ موجود نہ ہو تو ہمارا کام یہ ہے کہ اگر ہم مقلد ہیں تو اپنے امام کا قول دیکھیں گے۔ وہ بھی صریح نہ ملے تو بعد کے مجتہدین فی الفقہ، مجتہدین فی المذہب یا اصحاب التخریج یا اصحاب الترجیح کے اقوال کو یا مجتہدین فی المسائل کو ہم دیکھیں گے۔ اور مجتہدین فی المسائل کا سلسلہ الحمد للہ ابھی بند نہیں ہوا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا امداد الفتاویٰ اس پر شاہد عدل ہے اور ہمارے دوسرے بزرگوں کے فتاویٰ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتاویٰ، ہمارے والد صاحب کے فتاویٰ وغیرہ اس کے گواہ ہیں کہ مجتہدین فی المسائل کا سلسلہ چل رہا ہے، لیکن ہمارے ان بزرگوں نے

اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ جو بھی ایسا مسئلہ ہو جس میں ”عموم بلوئی“ ہو، وہ پورے عالم اسلام یا پورے ملک سے متعلق ہو، تو تنہا انفرادی رائے سے کوئی فتویٰ جاری نہیں کرتے تھے بلکہ مشورہ کرتے تھے۔ اگر مجلس منعقد نہیں ہو سکی تو فتویٰ کی تحریر تجویز کے طور پر لکھ کر دوسرے دارالافتاء میں بھیج دی اور سب کی رائے معلوم ہو گئی تو پھر اس فتویٰ کو شائع کیا گیا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں ہمارے والد صاحب اور حضرت مولانا عبدالکریم رحمہ اللہ نے مل کر یہ کام کیا۔ تمام علماء سے رجوع کیا اور علمائے مالکیہ سے خط و کتابت ہوتی رہی۔ دارالعلوم کراچی میں ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ کا حال آپ جانتے ہیں۔ یہی کوشش ہوتی رہی ہے کہ اجتماعی غور و فکر کے بعد فتویٰ جاری ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ اجتماعی غور و فکر کے بعد سب کا اتفاق رائے ہو جائے۔ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔

میرے والد صاحب کا ایک واقعہ:

والد صاحب رحمہ اللہ اپنا واقعہ سنایا کرتے تھے جب میں دارالعلوم میں صدر مفتی تھا ایک مستفتی نے میرے پاس ایک سوال بھیجا اور اس نے غضب یہ کیا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے پاس بھی وہی سوال بھیج دیا۔ جب دونوں جواب اس کے پاس پہنچے تو دونوں مختلف تھے۔ میرا جواب کچھ اور تھا اور میرے شیخ کا جواب کچھ اور تھا۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس پر غور کرنا چاہیے۔ غور و فکر ہوا تو میں حضرت کی رائے سے مطمئن نہ ہو سکا اور نہ حضرت کو میں مطمئن کر سکا۔ حضرت نے فرمایا: میں غور کرتا ہوں اور تم بھی غور کرو پھر بیٹھتے ہیں۔ پھر دوسری مجلس طے ہوئی۔ میں تیاری کر کے گیا۔ حضرت نے بھی غور فرمایا ہوگا۔ دونوں حضرات پھر بیٹھے..... لیکن مسئلہ میں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ پھر غالباً تیسری مجلس اور ہوئی ہے۔ اس میں بھی یہی ہوا کہ حضرت اپنی رائے پر قائم رہے اور میں اپنی رائے سے نہ ہٹ سکا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھئی! دیکھو اس مسئلہ میں ہمارا اور آپ کا اختلاف ہے تو اب اس اختلاف کا اظہار کر دینا چاہیے۔ مستفتی کو بتادیں کہ ہمارا

اختلاف ہے تو ایسی حالت میں اصول فتویٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ مستفتی کو اختیار ہوتا ہے کہ جس مفتی پر اطمینان ہے، جس کے علم و تقویٰ پر زیادہ اعتماد و عقیدت ہے، اس کے فتویٰ پر عمل کر لیں۔ اس کے لیے حلال ہے۔ نہ اس پر تنقید و تنقیص کی ضرورت ہے نہ اس پر بدگمانی کی ضرورت ہے اور نہ اس کا جواز ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب فرماتے تھے ہم نے اسے اطلاع کر دی۔ اس نے مزید غضب یہ کیا کہ عمل میرے فتویٰ پر کر دیا..... مگر شیخ رہا اور مرید مرید رہا۔ اور مستفتی کے دل میں بھی ادنیٰ بدگمانی، بدزبانی کا شائبہ اپنے بزرگوں کے بارے میں نہیں آیا۔

ہمارے زمانے کا ایک المیہ:

الغرض تمام ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہوتا رہا ہے اور یہ حضرات اپنے قول سے رجوع بھی کرتے رہے ہیں۔ امام شافعی کے قول قدیم اور قول جدید کیا ہیں؟ رجوع یہی تو ہے۔ امام محمد صاحب نے کتنے مسائل میں رجوع کیا؟ حکیم الامت رحمہ اللہ کی ”ترجیح الرائج“ امداد الفتاویٰ میں لگی ہوئی ہے۔ والد صاحب کے امداد المفتین کے اندر ”اختیار الصواب فی مختلف الأبواب“ پورا ایک باب اسی کام کے لیے ہے۔ امداد المفتین کا جو سب سے آخری نسخہ چھپا ہے اس کے اندر سب سے آخری فتوے میں والد صاحب نے رجوع کیا ہے۔ حیلہ زکوٰۃ سے متعلق جو فتویٰ تھا، اس سے رجوع شائع کیا اور فرمایا کرتے تھے: اس طرح رجوع کرنا ٹھیک نہیں کہ اعلان تو کیا عام مجمع میں اور رجوع کر لیا چھوٹی مجلس میں۔ نہیں! رجوع بھی اسی طریقے کے ساتھ اعلان کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ کبھی رجوع کرنے میں شرماتے نہیں تھے لیکن اب ہمارے زمانے میں یہ ایک نیا حادثہ پیش آیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پہلے یہ نہیں تھا۔ آٹھ دس سال پہلے تک نہیں تھا، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ سے پہلے نہیں تھا۔ پاکستان و ہندوستان میں بھی یہ نہیں تھا۔ اختلاف رائے ہوا کرتا تھا تو اختلاف

رائے کرنے والوں کو ثواب ملتا تھا۔ کسی کا قول صحیح اور کسی کا غلط ہو سکتا ہے لیکن ثواب سب کماتے تھے۔ ان کے اخلاص و تقویٰ کی وجہ سے سب کی عزت عوام کے دلوں میں بڑھتی تھی اور اگر کسی کو اپنی غلطی معلوم ہو جاتی تھی تو وہ رجوع کر لیتا تھا۔ شرماتا نہیں تھا۔ اس رجوع کی وجہ سے اس کی عزت میں ذرا بھی کمی نہیں آتی تھی۔ ”من تواضع اللہ دفعہ اللہ“ کا وعدہ پورا ہوتا تھا۔ لیکن یہ حالیہ واقعہ جو پیش آیا ہے ایک سال کے اندر اندر یہ تو ہمارے طبقہ، ہمارے علمائے کرام کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے طبقے میں علمائے دیوبند ہیں۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے۔ یاد رکھنے کی بات ہے۔ ہمیں تخصص فی الافتاء والد صاحب نے شروع کرایا تھا اور پھر الحمد للہ ان کی خدمت میں رہ کر فتویٰ کا کام عرصہ دراز تک کرنے کی توفیق ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ ہمیں آیا کچھ نہیں لیکن انہوں نے بہت کچھ گھول کر ہمیں پلا دیا۔ یہ ہمارے لیے بالکل ادنیٰ سی بات ہے۔ یہ جو واقعہ پیش آیا ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا دیکھا نہ سنا۔

اتفاق رائے اور اختلاف رائے:

والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مجتہد فیہ مسائل میں..... جہاں نص صریح نہ ہو وہ مجتہد فیہ مسائل ہیں..... ان میں اختلاف رائے ہونا بالکل ممکن ہے، بلکہ ضرور ہوگا۔ والد صاحب نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ جب آدمی دیانت دار بھی ہو اور عقل مند بھی اور ایسے مسائل میں غور کریں گے تو اختلاف ضرور ہوگا۔ اتفاق رائے ہونے کی صرف دو صورتیں ہیں: (1) ایک تو یہ کہ سب کے سب بے وقوف ہوں۔ ایک نے بات کی، سب نے ہاں میں ہاں ملا دی۔ (2) یہ کہ بے وقوف تو نہیں عقل مند ہیں لیکن منافق ہوں۔ ایک نے بات کی۔ اب سننے والوں کی رائے تو دوسری ہے لیکن اس کو خوش کرنے کے لیے ہاں میں ہاں ملا دی۔ جہاں دیانت داری بھی ہوگی اور سمجھ داری بھی ہوگی، وہاں اختلاف رائے ضرور

ہوگا۔ یہ اختلاف وہ ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ ائمہ مجتہدین سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا۔ اس میں کوئی عیب کی بات نہیں۔ اور فرمایا کہ اس قسم کے مسائل میں کوئی جہت ”منکر“ نہیں ہوتی۔ کوئی رائے ”منکر“ نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ کا کوئی قول لے لیجیے! امام شافعی کا کوئی قول لے لیجیے! امام شافعی کا کوئی قول ”منکر“ نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا کوئی قول منکر نہیں۔ اسی طریقے سے کسی امام کا قول ”منکر“ نہیں فرمایا کہ جب مجتہد فیہ مسائل میں جب کوئی جہت منکر نہیں ہوتی تو اس پر نکیر کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ ”غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔“ یہ جملہ والد صاحب کا ہے: ”غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔“ ہمارے ہاں یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ فتویٰ کا میدان ہے یا کوئی اکھاڑا ہے؟ ہم سب اصول افتاء کو بھول گئے۔ اپنے بزرگوں کی تمام تعلیمات فراموش کر دیں۔ اسلامی مسائل میں غور و فکر کا یہ طریقہ اختیار کر لیا۔ تمام طریقوں کو بالائے طاق رکھ کر یہ طریقہ اختیار کر لیا گیا؟

ضرورت کے وقت متبادل بتانا ضروری ہے:

دوسری بات، متبادل راستے کی آئی۔ اپنے بزرگوں کی باتیں ہمارے پاس ہیں۔ اور ہمارے پاس ہے بھی کیا؟ ابھی آپ نے متبادل راستے کی نظیر سن لی۔ خیبر کی کھجور کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو کچھ فرمایا وہ حیلہ ہی تو تھا اور کیا تھا؟ پہلے بتایا کہ جو آپ نے کیا وہ ناجائز ہے۔ پھر جائز طریقہ بتلایا۔ متبادل طریقہ بتلایا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی امداد الفتاویٰ اٹھا کر دیکھیے۔ خاص کر معاملات کے مسائل۔ بیع شرا، شرکت و مضاربت کے مسائل..... اس میں آپ کو جگہ جگہ ملے گا کہ جو طریقہ آپ نے پوچھا وہ تو صحیح نہیں، البتہ اگر یوں کر لیا جائے تو پھر صحیح ہے۔ یہی طریقہ ہم نے والد صاحب رحمہ اللہ کے لکھے ہوئے فتاویٰ میں دیکھا۔ بہت دفعہ وہ فتویٰ دیتے تھے اور ساتھ میں متبادل بتاتے تھے۔ کبھی وہ متبادل شرعی راستہ بتائے بغیر یہ

نہیں کہتے تھے کہ یہ حرام اور ناجائز ہے۔ اس قسم کے معاملات جن میں عموم بلوئی ہو، لوگوں کی ضرورتیں ہوں، اگر ان میں متبادل بتائے بغیر صرف حرام کہہ دیا جائے تو کیا ہوگا؟ لوگ مایوس ہو کر حرام میں مبتلا ہوں گے یا کاروبار چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے اور پھر بعض لوگ خدا نخواستہ ایسا بھی ہوگا کہ یہ سمجھ لیں گے کہ اس زمانے میں اسلام پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس طریقہ عمل سے لوگ خدا نخواستہ مرتد ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ اس زمانے میں ناجائز معاملات، خاص طور پر بیع و شرا کے اندر، ناجائز معاملات اتنے پھیل گئے ہیں کہ لوگوں کو اس سے بچنا آسان نہیں رہا۔ اس زمانے میں خاص طور سے مفتی کی ذمہ داری اس پر ہرگز ختم نہیں ہوتی کہ اس سے بیع و شرا کے متعلق فتویٰ پوچھا جائے تو وہ یہ کہہ دے کہ یہ ناجائز ہے۔ اس کی جس طرح یہ ذمہ داری ہے کہ ناجائز بتلائے، ایسے ہی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ جائز راستہ بتائے۔ اور فرمایا کہ اگر نہیں بتایا جائے گا تو خطرہ ہے کہ اس کا ایمان ہی نہ رہے۔ اس کے دل میں یہ خیال آجائے گا کہ اس زمانے میں دین پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ پھر علماء سے پوچھنا ہی چھوڑ دے گا۔

تو یہ دو تین باتیں حضرت والد صاحب کی مجھے یاد تھیں۔ موقع کی مناسبت سے میں نے عرض کر دی ہیں۔

